MIRRAT UL ARIFEEN INTERNATIONAL

ماہنامہ

لاہور

مرآۃ العارفین انٹرنیشنل

جلد نمبر 24

شمارہ نمبر 06

اکتوبر 2023ء، ربیع الاول/ ربیع الثانی 1445ھ

WWW.MIRRAT.COM

سیرت نمبر

اپنے پیاروں کا سوچیں!

اور

ایمبولینس کو راستہ دیں

ایمبولینس کیلئے ایک سیکنڈ کی تاخیر بھی قیمتی انسانی جان
کے ضیاع کا باعث بن سکتی ہے۔

بحیثیت ایک اچھے انسان کے

ہمارا انسانی، مذہبی اور اخلاقی فریضہ ہے کہ
نہ صرف ہمیشہ ایمبولینس کو فوری راستہ دیں
بلکہ
اس میں رکاوٹ کھڑی کرنے والوں کی حوصلہ شکنی کریں۔

مسلسل اشاعت کا چوبیسواں سال

MIRRAT UL ARIFEEN INTERNATIONAL

ماہنامہ مرآۃ العارفین انٹرنیشنل لاہور

اکتوبر 2023ء، ربیع الاول/ربیع الثانی 1445ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فیضانِ نظر

سُلطان الفقر حضرت سخی سلطان محمد اصغر علی صاحب قدس سرہ العزیز

چیف ایڈیٹر: صاحبزادہ سلطان احمد علی

ایڈیٹوریل بورڈ:
- سید عزیز اللہ شاہ ایڈووکیٹ
- مفتی محمد شیر القادری
- افضل عباس خان

آرٹ ایڈیٹر:
- محمد احمد رضا
- واصف علی

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری (اقبال)

سلطان العارفین حضرت سلطان باھُو کی نسبت سے شائع ہونے والا فلسفۂ وحدانیت کا ترجمان،
اصلاحِ انسانیت کا پیمبر، اتحادِ ملّتِ بیضا کے لئے کوشاں، نظریۂ پاکستان کی روشنی میں استحکامِ پاکستان کا داعی

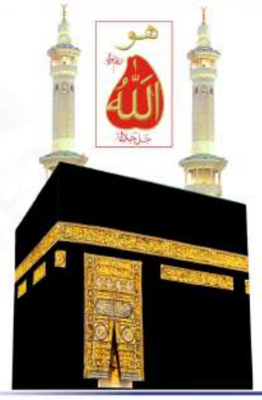

اس شمارے میں

1	اقتباس		3

اداریہ

2	دستک		4

سیرت نمبر

3	سیرت النبی (ﷺ) اور اختلافِ رائے کا احترام	صاحبزادہ سلطان احمد علی	5
4	مشتعل ہجوم کی عدالت اور سیرت النبی (ﷺ)	مفتی محمد صدیق خان قادری	9
5	سائبر کرائم کا تدارک سیرتِ طیبہ (ﷺ) کی روشنی میں	لئیق احمد	14
6	اِسلامی معیشت و تجارت: سیرت النبی (ﷺ) کی روشنی میں	مفتی سید صابر حسین	19
7	ماحول دوست زندگی سیرت نبوی (ﷺ) کی روشنی میں	انجینئر رفاقت ایچ ملک	24
8	صفائی کی اہمیت احادیث مبارکہ کی روشنی میں	مفتی محمد اسماعیل خان نیازی	29
9	خوش لباسی اور سیرت طیبہ (ﷺ)	مفتی محمد شیر القادری	33
10	حضرت فرید الدین عطار (رحمۃ اللہ علیہ) کی نعتیہ شاعری	ڈاکٹر شوکت حیات	40
11	آدابِ حدیث پاک	محمد اشفاق گورچانی	46

فی شمارہ آرٹ پیپر	فی شمارہ نیوز پیپر
110 روپے	80 روپے
سالانہ (ممبرشپ) 1320 روپے	سالانہ (ممبرشپ) 960 روپے

یورپین پونڈ	امریکی ڈالر	سعودی ریال
280	400	800

اپنی بہترین اور مؤثر کاروباری تشہیر کیلئے مرآۃ العارفین میں اشتہار دیجئے رابطہ کیلئے: 0300-1275009

پبلشر سجاد علی چوہدری نے قاسم نعیم آرٹ پریس، بندروڈ، لاہور سے چھپوا کر 698-BS-8 تاج کمپنی چوک نزد ایم سی بی چوہان روڈ بندروڈ لاہور سے شائع کیا

برائے خط و کتابت: ماہنامہ مرآۃ العارفین انٹرنیشنل P.O.Box No.11 جی پی او، لاہور E-mail: miratularifeen@hotmail.com
WWW.ALFAQR.NET, WWW.MIRRAT.COM

"یَآیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا○ وَّ دَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا○ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِیْرًا○"

"اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) بیشک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر ناظر اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا- اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا اور چمکا دینے والا آفتاب- اور ایمان والوں کو خوشخبری دو کہ ان کے لئے اللہ کا بڑا فضل ہے"-(الاحزاب:45-47)

حضرت براء بن عازب (رضی اللہ عنہما) روایت بیان فرماتے ہیں کہ:

"فَمَا رَأَيْتُ أَهْلَ الْمَدِينَةِ فَرِحُوا بِشَيْءٍ فَرَحَهُمْ بِرَسُولِ اللهِ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)"

"پس میں نے اہل مدینہ کو اتنی خوشی مناتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا جتنی خوشی انہیں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مدینہ تشریف آوری سے ہوئی"-

(صحیح البخاری، کتاب المناقب)

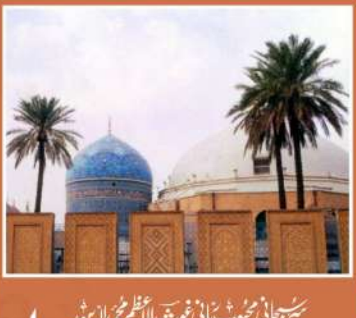

سرِّ ربانی محبوبِ سبحانی غوث الاعظم محی الدین

سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی (رضی اللہ عنہ) فرمان

"حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ سیّدی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: ہر نبی کے لیے ایک (خاص) معقول دعا ہے (جس کی دنیا میں انہیں مانگنے کی اجازت تھی اور جس کی قبولیت ہر صورت میں یقینی تھی) دیگر تمام انبیاء کرام (علیہم السلام) نے اپنی دعا میں جلدی کی لیکن میں نے (اس حق کو دنیا میں استعمال نہیں کیا بلکہ) اپنی اس دعا کو قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کے لیے جمع کر رکھا ہے اور یہ ان شاء اللہ میری امت کے ہر اس فرد کو پہنچے گی جو اس حال میں دنیا سے رخصت ہوا کہ اس نے اللہ عزوجل کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا ہو گا- حضرت انس (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ سیّدی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ میں زمین پر موجود پتھروں اور ڈھیلوں سے بھی زیادہ لوگوں کی شفاعت کروں گا- حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) قیامت کے دن میزان کے پاس بھی اور پُل صراط کے پاس بھی شفاعت فرمائیں گے اس طرح ہر نبی کو شفاعت کا حق حاصل ہو گا"-(غنیۃ الطالبین)

سلطان العارفین

حضرت سلطان باھو (رحمۃ اللہ علیہ) فرمان

عقل فکر دی جا نہ کائی جتھے وحدت سرّ سبحانی ھو

ناں اوتھے ملاّں پنڈت جوشی ناں اوتھے علم قرآنی ھو

جد احمدؐ احد وکھالی ڈتا تاں کل ہووے فانی ھو

علم تمام کتو نے حاصل باھو کتاباں ٹھپ آسمانی ھو

(ابیاتِ باھُو)

فرمانِ قائدِ اعظم محمد علی جناح (رحمۃ اللہ علیہ)

ایمان، اتحاد، تنظیم

"میں آپ سے کہوں گا کہ ایسے لمحات (فرقہ وارانہ تشدد، باہمی نفرت اوراشتعال انگیزی) کے دوران آپ یہ یاد رکھیں کہ ہمارے رسول پاک (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے نزدیک کوئی قاعدہ، قانون دیگر تمام بنی نوع انسان کے ساتھ اُنسیت اور رواداری سے بڑھ کر زیادہ متبرک اور مقدس نہیں ہو سکتا"-

(آل انڈیا ریڈیو، بمبئی، 13 نومبر، 1939ء)

فرمان علامہ محمد اقبال (رحمۃ اللہ علیہ)

توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے
آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا
سالار کارواں ہے میر حجاز اپنا
اس نام سے ہے باقی آرام جاں ہمارا

(بانگِ درا)

سیرت نبوی (ﷺ) اور سماجی اقدار

حضور نبی کریم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا: ”میں نے تم کو ایسی روشن راہ پر چھوڑا ہے جس کی رات بھی اس کے دن کی طرح ہے“- فخر کائنات سید الانبیاء محمد عربی (ﷺ) کی مثل تو آپ (ﷺ) سے پہلے نہ کوئی آیا اور نہ آئندہ ایسی جامعیت و کاملیت کے اوصاف کسی انسانی وجود کو نصیب ہو سکیں گے- سیاسی زندگی ہو یا معاشی، انفرادی ہو یا اجتماعی، سماجی ہو یا زندگی کا کوئی اور پہلو، رسول کریم (ﷺ) کی پاکیزہ حیات مبارکہ انسانی سماج کے لیے بہترین اسوۂ حسنہ ہے- ہمارا سماج آج کئی چیلنجز کا سامنا کر رہا ہے، یہاں قتل وغارت کو بہادری وغیرت کا نام، رشوت و اقرباء پروری کو دانائی اور بے حیائی و بے پردگی کو ترقی کی علامت قرار دیا گیا- الغرض! معاشرے کی ترجیحات یکسر بدل چکی ہیں اور آج کا نوجوان مغربی معاشرے میں پناہ لینے ہی میں اپنی عافیت سمجھتا ہے-

لیکن اگر ہم ان مسائل کی نشاندہی کر کے ہر مسئلہ پر رسول اللہ (ﷺ) کی حیات طیبہ سے روشنی لینا چاہیں تو یہ بات بلا خوف تردید کہی جائے گی کہ محسن انسانیت کی جامع سماجی زندگی نے اپنے وسیع دامن میں ان تمام مسائل کا حل سمیٹ رکھا ہے- حل بھی ایسا عادلانہ، منصفانہ، معقول و معتدل کہ اس سے بہتر کوئی دوسرا حل سامنے نہیں آسکتا- غور فرمایئے! کہ سیّدی رسول اللہ (ﷺ) نے خود غرضی اور ہوا پرستی کا خاتمہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: ”تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ لوگوں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے“- مزید ارشاد فرمایا: ”تم میں سے بہتر انسان وہ ہے جو لوگوں کو نفع پہنچائے“- سرکار دوعالم (ﷺ) نے خیر خواہی اور انسانی فلاح و بہبود کو سراپا دین قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ”خیر خواہی کرو، اور دین خیر خواہی کا نام ہے“ اور کسی سے دو میٹھے بول کہہ دینا بھی صدقہ قرار دیا- مزید آپس میں مہربانی اور شفقت کی تلقین فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: ”بندوں پر رحم کرو، جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا، تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا“-

رحمت عالم (ﷺ) کی یہ شانِ رحمت صرف انسان تک محدود نہیں تھی، بلکہ انسانی سماج میں انسانوں کے ساتھ رہنے والے ہر جاندار کے لیے عام تھی اور حضور نبی کریم (ﷺ) نے جانوروں پر ظلم کرنے سے سختی سے منع فرمایا اور بلاوجہ جانوروں کو پیٹنے، ستانے اور ٹھیک سے کھانا پانی نہ دینے پر سیّدی رسول اللہ (ﷺ) نے سخت تنبیہ فرمائی- ایک بار آپ (ﷺ) نے ایک اونٹ کو دیکھا تو اس کے مالک کو بلا کر فرمایا کہ اس جانور کے بارے میں خدا سے ڈرو، جس کا خدا نے تم کو مالک بنایا ہے- ایک دفعہ ایک صحابی (رضی اللہ عنہ) نے چڑیا کے دو بچوں کو پکڑ لیا، چڑیا اوپر منڈلانے لگی اور آپ (ﷺ) کی بارگاہِ اقدس میں بچوں کے چھن جانے کی شکایت عرض کی تو آپ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ اس کے بچوں کو پکڑ کر کس نے اس کو بیقرار کیا، اس کے بچوں کو چھوڑ دو- ایک عورت کے بارے میں آپ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ اس کو صرف اس لیے عذاب ہوا کہ اس نے بلی کو باندھ کر بھوکا رکھا تھا-

رحمت عالم (ﷺ) نے نہ صرف انسانوں کی بلکہ جانوروں کو بھی تکلیف پہنچانے کو گناہ قرار دیا- انسانی سماج کا ایک اہم حساس اور تشویشناک مسئلہ ماحولیاتی آلودگی کا ہے اور اس کی تباہ کاریوں سے انسانی معاشرہ لرز رہا ہے، رسول اللہ (ﷺ) کی حیات طیبہ میں اس سے متعلق اصولی ہدایت کیسی روشن ہے- رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ جو مسلمان درخت لگائے گا اس سے جو انسان یا پرندہ بھی کچھ کھائے گا تو اس کا ثواب درخت لگانے والے کو ملے گا- ہرے بھرے درختوں کو کاٹنے سے رسول اللہ (ﷺ) نے دوران جنگ بھی منع فرمایا ہے- بازار کی اشیاء خوردنی میں ملاوٹ اور نفع خوری کے لیے دھوکا دہی آج عام شیوہ ہوتا جا رہا ہے، رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا: جو دھوکا دہی سے کام لے وہ ہم میں سے نہیں ہے- آج ہمارے معاشرے کا سنگین مسئلہ تشدد اور عدم برداشت ہے- حضور نبی کریم (ﷺ) نے اس کا خاتمہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: مسلمان تو وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں- اسی طرح کسی کو دہشت زدہ کرنا اور خوف میں مبتلا کر دینا قطعاً ممنوع ہے- حتیٰ کہ کسی کے سامنے بلاوجہ تلوار لہرانے کو بھی غلط قرار دیا گیا ہے- کسی کے مال کا ذرا سا حصہ بھی اگر کسی انسان نے دبا لیا ہے تو اسے واپس کرنا ہوگا، ورنہ اللہ عزوجل کے نزدیک اسے جواب دہ ہونا اور حقدار کا حق واپس کرنا ہوگا-

سماجی زندگی میں ایک اہم مسئلہ مختلف مذاہب کے احترام اور ان کے درمیان بقائے باہم کا ہے- سیرت طیبہ میں اس بارے میں بہت واضح ہدایات موجود ہیں- میثاق مدینہ میں تمام مذاہب والوں کے لیے اپنے اپنے مذہب پر عمل کی آزادی کی ضمانت تاریخ میں محفوظ ہے، مذہبی اصولوں میں اپنی شناخت کے ساتھ باقی رہتے ہوئے دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کا احترام اور عمل کی آزادی سیرت طیبہ نے دی ہے- اس نے بتایا کہ دین کے معاملہ میں کوئی جبر نہیں ہے-

رسول اللہ (ﷺ) کی سماجی زندگی بڑی ہمہ گیر، وسیع اور ہر زمانہ کی سماجی ضروریات میں رہنمائی رکھنے والی ہے، سیرت طیبہ کا موضوع ایسے نقوش روشن سے مالا مال ہے جس کی روشنی سے ہم اپنے اپنے سماج کی کسی بھی نوع کی تاریکی کا خاتمہ کر سکتے ہیں- کیونکہ سیرت طیبہ کا سماجی پہلو آج بھی ایک روشن قندیل ہے، ایک منبع فیض اور بہترین اسوۂ حسنہ ہے-

سیرت النبی ﷺ

اور اختلافِ رائے کا احترام

صاحبزادہ سلطان احمد علی
چیئرمین مسلم انسٹیٹیوٹ

اللہ تعالیٰ نے انسان کو شکل و صورت، رنگ و نسل، زبان و بیان، ذوق و مزاج، غور و فکر اور عقل و فہم کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف پیدا کیا ہے- یہی وجہ ہے کہ ہر کس اپنی جداگانہ شخصیت اور انفرادی حیثیت رکھتا ہے- اس لئے اختلافِ رائے کا پیدا ہو جانا امرِ یقینی ہے-

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

’’وَمِنْ اٰیٰتِہٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِکُمْ وَ اَلْوَانِکُمْ ط اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ‘‘[1]

’’اور اس کی نشانیوں سے ہے آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں اور رنگتوں کا اختلاف- بیشک اس میں نشانیاں ہیں جاننے والوں کے لئے‘‘-

چونکہ اشیاء کا مختلف پیدا کیا جانا منشاءِ الٰہی سے ہے اس لئے ان میں اختلافِ رائے کا پایا جانا قدرتی امر ہے- میں سمجھتا ہوں جس طرح لوگوں کے رنگ اور زبان کا اختلاف آیاتِ الٰہی میں سے ہے اسی طرح انسانی عقل و فہم، نکتہ ہائے نظر اور ان سے جنم لینے والی سوچ و فکر اور آراء کا مختلف ہونا یہ بھی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے-

سیدنا حضرت عمر بن عبد العزیز (رضی اللہ عنہما) فرماتے:

’’مجھے یہ اچھا نہیں لگتا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کرام میں اختلاف نہ ہوتا کیونکہ اگر ان میں اختلاف نہ ہوتا تو رخصت و گنجائش کی کوئی صورت نہ پیدا ہوتی‘‘-[2]

اگر اختلاف درست نیت، درست سوچ اور خیر خواہی کی بنیاد پر کیا جائے تو اس سے افکار و نظریات کی کئی نئی راہیں کھلتی ہیں- جو یقیناً اُمت کے لئے باعثِ رحمت ثابت ہوتا ہے- آج ہمارے پاس جو کثیر تعداد میں قرآن و احادیث کے مختلف مفاہیم، تفاسیر اور تشریحات موجود ہیں اسی نیک نیتی پر مبنی اختلافِ رائے کا ہی ثمرہ ہیں-

اگرچہ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو طبعی اور فطرتی طور پر مختلف پیدا کیا ہے لیکن اِس انفرادی فرق اور اختلاف کے باوجود اُمت میں اجتماعیت اور اتحاد مطلوب ہے- اس لئے عقائد اور افکار و نظریات کے اختلاف کو کسی صورت میں بھی فتنہ و فساد اور ملی وحدت کا شیرازہ پارہ پارہ کرنے کا سبب بننے کی اجازت نہیں دی جاسکتی-

اگر اختلاف مخالفت کا روپ دھار لے تو احترامِ انسانیت کا جنازہ اُٹھنے لگتا ہے، انسانی معاشرہ فتنہ و فساد کی نظر ہو جاتا ہے اور الفت و محبت کی جگہ تعصب، ہٹ دھرمی اور شدت پسندی لے لیتی ہے اور اُمت طبقاتی تقسیم میں منقسم ہو جاتی ہے- ایسا اختلاف جو اُمت کی وحدت کو ختم کرنے کا سبب بنے اس کو اختلاف شر قرار دیا گیا ہے اور اختلاف شر کے نتائج اتنے بھیانک اور خطرناک ہیں جس کا اندازہ قرآن مجید کی اس آیت کریمہ سے لگایا جاسکتا ہے-

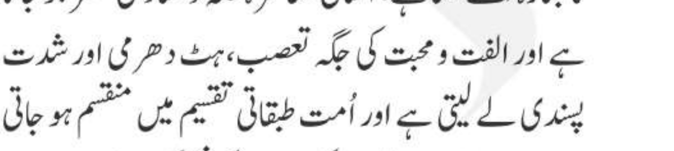

[1] (الروم:22)

[2] حوالہ: الإبانة الكبرى لابن بطة، جز2، ص:565، دار الراية للنشر، الرياض،،

"قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ ۚ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَ لَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ"[3]

"کہا اے میرے ماں جائے نہ میری داڑھی پکڑو اور نہ میرے سر کے بال مجھے یہ ڈر ہوا کہ تم کہو گے تم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور تم نے میری بات کا انتظار نہ کیا"۔

در اصل مسئلہ یہ تھا کہ جب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اپنی قوم حضرت ہارون (علیہ السلام) کے سپرد کر کے کوہِ طور پہ تشریف لے گئے تو پیچھے سامری نے سونے کا بچھڑہ بنا کر لوگوں کے سامنے بطور معبود پیش کیا تو لوگوں نے اس کی عبادت شروع کر دی جب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) واپس تشریف لائے تو دیکھا کہ قوم بچھڑے کی پوجا میں لگی ہوئی ہے۔حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو حضرت ہارون (علیہ السلام) پر شدید غصہ آیا جس کو قرآن کریم یوں بیان کرتا ہے "کہا اے میرے ماں جائے نہ میری داڑھی پکڑو اور نہ میرے سر کے بال مجھے یہ ڈر ہوا کہ تم کہو گے تم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور تم نے میری بات کا انتظار نہ کیا"۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ سیدنا حضرت ہارون (علیہ السلام) کے نزدیک قوم میں اختلاف و انتشار پھیلانا کتنا بڑا جرم تھا۔

لیکن ایسا اختلافِ رائے جو خیر اور نیک نیتی پر مبنی ہو جس سے افکار و نظریات اور فہم و فراست کے نئے دریچے وا ہوتے ہوں، جو بہتر سے بہتر کی تلاش کے لئے کیا جائے تو وہ قابل تحسین بھی ہے اور رحمت بھی۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ"[4]

"جو درخت تم نے کاٹے یا ان کی جڑوں پر قائم چھوڑ دیئے یہ سب اللہ کی اجازت سے تھا اور اس لئے کہ فاسقوں کو رسوا کرے"۔

جب بنو نضیر نے غزوۂ احد میں مشرکین کی مدد کر کے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کیئے گئے معاہدے کی خلاف ورزی کی تو ایک دن مسلمانوں نے بنو نضیر کی بستی کا محاصرہ کر لیا، جیسے ہی انہوں نے مسلمانوں کو دیکھا تو وہ فوراً اپنے قلعوں میں داخل ہو گئے۔ اور دروازے بند کر دیئے تو مسلمان ان کے کھجور کے درختوں کو کاٹنے اور جلانے لگے۔کچھ درخت

کاٹے گئے، کچھ درخت جلائے گئے ،تو بعض نے کہا کہ ان باغات کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مالِ غنیمت کے طور پر عطا فرمایا ہے ان کو نہ کاٹا جائے۔ بعض نے کہا کہ جنگی حکمتِ عملی کے پیش نظر ان درختوں کا کاٹنا چاہیے، جب دونوں کی آراء مختلف ہو گئیں تو بار گاہِ رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں عرض کیا گیا کہ ہم نے جو کارروائی کی ہے اس پر ہمیں اجر ملے گا یا گناہ ہو گا۔ کہیں یہ فساد فی الارض کے زُمرے میں تو نہیں آئے گا۔ تو اتنے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی:"جو درخت تم نے کاٹے یا اُن کی جڑوں پر قائم چھوڑ دیئے یہ سب اللہ کی اجازت سے تھا اور اس لئے کہ فاسقوں کو رسوا کرے"۔

اللہ تعالیٰ نے دونوں کی رائے کو درست قرار دیا۔

یہ کتنے بڑے اعزاز کی بات ہے کہ جن کی رائے کے درست ہونے کی تصدیق اللہ تعالیٰ فرمادے۔

[3] (طہ:94)

[4] (الحشر:5)

تو اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اختلاف اگر خیر پر مبنی ہو تو رحمت ہے۔اسی طرح حضرت امام بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے:

حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہما) فرماتے ہیں کہ جب حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) غزوۂ احزاب سے واپس تشریف لائے تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہم سے فرمایا کوئی شخص بنو قریظہ میں پہنچے بغیر عصر کی نماز نہ پڑھے۔جب راستے میں عصر کا وقت ہوا تو بعض صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نے کہا کہ ہم عصر کی نماز اس وقت تک نہیں پڑھیں گے جب تک ہم بنو قریظہ پہنچ نہیں جاتے۔بعض نے کہا کہ ہم عصر کی نماز پڑھیں گے کیونکہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہم سے اس کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ان کی رائے یہ تھی کہ اس ارشاد سے حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا منشا یہ تھا کہ وہ بنو قریظہ میں جلدی پہنچو۔آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا یہ منشا نہیں تھا کہ بنو قریظہ میں ہی نمازِ عصر پڑھنا خواہ نماز قضا ہی ہو جائے۔سو انہوں نے اس حدیث پاک کی منشا اور مفہوم پر عمل کیا۔دوسرے صحابہ کرام نے حدیث پاک کے ظاہری الفاظ پر عمل کیا کہ نمازِ عصر بنو قریظہ میں پہنچ کر ہی پڑھنی ہے۔

دونوں کی رائے مختلف تھی لیکن چونکہ خیر پر مبنی تھیں اس لئے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان میں سے کسی فریق کو ملامت نہیں کیا۔بلکہ دونوں کی رائے کو عزت و احترام عطا فرمایا۔[5]

سیرت النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی پیروی نہ کرنے کے نتیجے میں آج ہمارا معاشرہ یہاں تک آ پہنچا ہے کہ اپنی رائے سے اختلاف کرنے والے شخص کو کفر و گمراہی سے کم درجے کا ٹائیٹل ہی نہیں دیتے اور نہ ہی اس سے کم پر پیاس بجھتی ہے۔

حالانکہ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق (رضی اللہ عنہ) نے ایک آدمی سے سخت لہجے میں بات کی تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اے عمر! اس کا جرمانہ ادا کرو تو نے اس سے سخت لہجے میں بات کی ہے۔

امام ابن کثیر نے "الجامع المسانید" اور امام ہیثمی نے "مجمع الزاوئد" میں نقل کیا ہے کہ:

زید بن سعنہ کہتے ہیں کہ جب میں نے پہلی بار محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دیکھا تو نبوت کی تمام علامات کو میں پہچان گیا سوائے دو کے۔ایک یہ کہ اس کا حلم اس کے غصہ پر غالب ہو گا۔جتنا بھی اس کے ساتھ جہالت کا رویہ اختیار کیا جائے گا اتنا ہی ان کا حلم بڑھتا جائے گا۔

پھر کہتے ہیں کہ مَیں نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ بیع کی۔تو وعدے سے دو یا تین دن قبل میں نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے قرض کا مطالبہ شروع کر دیا۔میں نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی قمیص اور چادر سے پکڑ کر سخت ترین طریقے سے بات کی۔حضرت ابو بکر، عمر، عثمان اور دیگر صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) بھی ساتھ تھے۔میری سختی دیکھ کر عمر نے مجھے غصہ سے کہا اے یہودی! کیا تو اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ ایسا برتاؤ کر رہا ہے۔اُس ذات کی قسم جس نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو حق دے کر بھیجا ہے اگر مجھے کسی چیز کا ڈر نہ ہوتا تو میں اپنی تلوار سے تیرا سر اڑا دیتا۔زید کہتے ہیں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) عمر کی طرف بڑے اطمینان، سکون اور مسکراہٹ کے ساتھ دیکھ رہے تھے۔پھر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اے عمر! میں اور وہ تم سے کسی اور سلوک کے خواہاں تھے۔تم مجھے حسنِ ادائیگی کا کہتے اور اسے حسنِ تقاضا کا کہتے۔اب اسے لے جا اور اس کا قرض ادا کر دے اور اسے بیس صاع کھجوریں اضافی دے دے کیونکہ تو نے اسے دھمکی دی ہے۔یہ حسنِ اخلاق دیکھ کر مجھے تصدیق ہو گئی اور میں نے اسلام قبول کر لیا۔

[5] (بخاری شریف، کتاب صلوٰۃ الخوف)

یہ ہے سیرتِ مصطفٰے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے تو اپنے غیروں کو برداشت کرنا کیسے سکھایا-

امام ابن جریر ابو جعفر الطبری (المتوفی:310ھ)، امام بغوی، امام ابن کثیر اور دیگر کئی مفسرین اور مؤرخین نے لکھا ہے کہ جب حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس نجران کے عیسائیوں کا وفد آیا تو عصر کا وقت ہو چکا تھا، مسجد نبوی میں داخل ہوئے اور مشرق کی طرف منہ کر کے عبادت کرنے لگے- صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نے انہیں روکنے کا ارادہ کیا، لیکن آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے منع فرمادیا کہ انہیں کرنے دو-

اندازہ لگائیں! دشمن ہیں، مخالف ہیں اپنے الگ عقائد اور نظریات رکھتے ہیں لیکن حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اُمت کو عملاً یہ سبق سکھا دیا کہ اپنے مخالف کے عقائد و نظریات کا کس قدر خیال رکھنا چاہیے اور اُسے اپنے اخلاقِ حسنہ سے کس قدر متاثر کرنا چاہیے- یہ سیرت النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے وہ روشن باب ہیں جن کے نور سے ہم دین اسلام کی ترویج واشاعت میں نمایاں کردار ادا کرسکتے ہیں-

اگر سیرت النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا فیضان نصیب ہو جائے تو وجود میں شدت، ہٹ دھرمی اور لاشعوری ختم ہو جائے- لیکن اس قسم کی سنجیدگی وجود میں اُس وقت پیدا ہوتی ہے جب آدمی مشنری ہو، اُس کا مشن لوگوں کو دین اسلام کے قریب سے قریب تر کرنا ہو- ایسا آدمی لوگوں کو دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے اسباب مہیا کرتا ہے، تاکہ لوگوں کیلئے دین اسلام کو قبول کرنے میں کوئی رکاوٹ حائل نہ ہو-

تو پھر ایسا آدمی عدمِ برداشت کا شکار نہیں ہو سکتا بلکہ صبر و تحمل کا پہاڑ گراں ثابت ہوتا ہے-

آج ایک دو شہر نہیں بلکہ پورا معاشرہ تشدد، سفاکی، بے رحمی، خون خرابہ، دنگا فساد اور اخلاقی بحران کی لپیٹ میں ہے جس کی بدترین شکل اشتعال زدہ ہجومی عدالتیں اور ان میں ہونے والے ماورائے قانون و انصاف قتل ہیں- اگر اس شدت کو ختم کرنا چاہتے ہو تو سیرت النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سانچے میں خود کو، اپنے اہل و عیال کو اور معاشرے کو ڈھالنے کی کوشش کریں- میں پورے یقین سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ سیرت النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے فیضان سے یہ معاشرہ جنت نظیر بن سکتا ہے-

اختتام کی طرف آتے ہوئے عرض کروں گا کہ ہمارے قائد و مرشد جانشینِ سلطان الفقر صاحبزادہ سلطان محمد علی صاحب (سرپرست اعلیٰ اصلاحی جماعت و عالمی تنظیم العارفین) کا نوجوان نسل کی تربیت کیلئے یہ منہج ہے اور پیغام بھی کہ:

❖ اپنی زندگیوں کو سیرت النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے فیضان کے نور سے روشن کیجئے-

❖ کسی سے اختلاف کرنے سے قبل مسئلہ کی نوعیت کو سمجھنے کی کوشش کیجئے- کیونکہ بعض دفعہ ایک ہی وقت میں دونوں فریق درست بھی ہوسکتے ہیں-

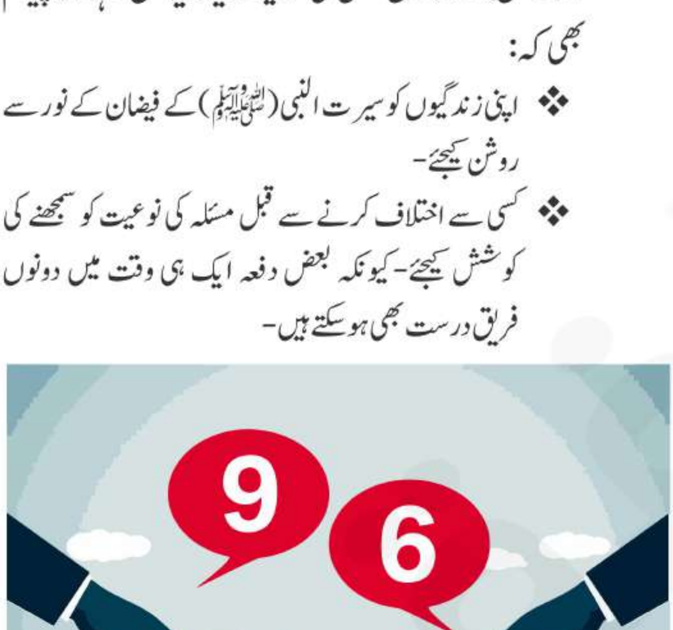

ایک کے سامنے 6 کا عدد بن رہا ہے اور یہی ہندسہ دوسرے کے سامنے 9 کا عدد بن رہا ہے، بیک وقت دونوں درست ہیں، ضد کو چھوڑیئے، کسی رہنما کو تلاش کیجئے تاکہ وہ تمہیں قریب سے مسئلہ کو سمجھنے کا گر سکھادے-

❖ اپنے فریقِ مخالف سے ہمیشہ عزت و احترام سے پیش آیئے کیونکہ ہمیشہ اپنے مخالف سے احترام و تکریم سے پیش آنا یہ عظیم لوگوں کا شیوہ ہے- عظیم لوگ بننے کی کوشش کیجئے-

دعوت ہے آیئے، دیر مت کیجئے!

سلطان محمد علی صاحب کے قافلے کا سنگ اختیار کیجیے اور سیرت النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے فیضان سے بھرپور حصہ حاصل کیجئے-

☆☆☆

سیرت النبی ﷺ اور مشتعل ہجوم کی عدالت

مفتی محمد صدیق خان قادری

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو ہمیں عبادات و ریاضات، اخلاقِ حسنہ کی تکمیل اور قرب الٰہی کے حصول کے ساتھ ساتھ پرامن رہنے اور معاشرے کو امن و سلامتی کا گہوارہ بنانے کا درس دیتا ہے کیونکہ جس معاشرے میں ظلم و بربریت اور جبر و تشدد ہو تو اس معاشرے کا نہ صرف نظم و نسق ختم ہو جاتا ہے بلکہ وہ تباہ و برباد ہو جاتا- اسی لیے تو کہا جاتا ہے کہ کفر کا نظام تو چل سکتا ہے لیکن ظلم کا نظام نہیں چل سکتا کیونکہ اسلام امن و سلامتی کا دین ہے لہذا وہ اپنے پیروکاروں کو امن و سلامتی اور اسلامی اصولوں کے مطابق زندگی گزارنے کی تلقین کرتا ہے- یہی وجہ ہے کہ ایک اسلامی معاشرہ فلاح و بہبود اور امن و سلامتی کے لحاظ سے باقی تمام معاشروں سے منفرد ہو جاتا ہے- اسلام نے معاشرے میں امن و سلامتی برقرار رکھنے اور جبر و تشدد کی روک تھام کے لئے حدود و تعزیرات کا نفاذ کیا ہے- ان کے نفاذ سے تو بظاہر اً ایسے لگتا ہے کہ آدمی کے ساتھ ظلم و زیادتی ہو رہی ہے لیکن اگر حقیقتاً ان کے نفاذ کے نتائج اور ثمرات پر توجہ کی جائے تو ان میں ایک معاشرے کی امن و سلامتی اور اس کی بقا کا راز پوشیدہ ہے- اسی لئے تو قرآن مجید میں قصاص کی حکمت کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ”قصاص میں تمہارے لئے حیات ہے“-[1]

معاشرے میں امن و سلامتی قائم رکھنے کے لئے اسلام نے جو ہمیں قانون عطا کیا ہے اس کے نفاذ کا بھی ایک واضح سسٹم عطا کیا ہے کہ اس کا نفاذ حاکم وقت، قاضی یا ریاست کا عدالتی نظام کرے گا کسی فردِ واحد اور ہجوم کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ قانون کو ہاتھ میں لے کر عدالتی نظام کے ماوراء خود فیصلے کرنا شروع کر دے جس طرح بد قسمتی سے مملکتِ خداداد پاکستان میں اس قسم کے کئی واقعات رونما ہوئے ہیں- یہ سراسر اسلامی تعلیمات اور سیرت النبی (ﷺ) سے ناواقفیت کی وجہ ہے حالانکہ اسلام قطعاً اس کی اجازت نہیں دیتا- جب ہم سیرت النبی (ﷺ) کا بغور مطالعہ کرتے ہیں تو یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ آپ نے ہمیشہ اپنی حیات طیبہ میں اعتدال و توازن اور قانون کے مطابق زندگی گزارنے کو پسند کیا ہے- آپ نے کبھی بھی انتہا پسندی اور شدت پسندی کا درس نہیں دیا بلکہ اس کے بارے شدید وعید بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

> ”اے لوگو! دین میں غلو سے بچو کیونکہ تم سے پہلے قومیں دین میں غلو اور زیادتی (یعنی شدت پسندی اور انتہا پسندی) کے سبب ہلاک ہوئیں“-[2]

تو معلوم ہوا کہ اسلام میں انتہا پسندی اور شدت پسندی کی کوئی گنجائش نہیں ہے بلکہ اسلام کی نظر میں وہ عمل قابل قبول ہے جو ایک قانونی دائرہ کار کے اندر ہو اور اس میں اعتدال و توازن پایا جائے-

آقا کریم (ﷺ) نے ہمیشہ قانون و اصول کے مطابق زندگی گزارنے کا درس دیا آپ نے ہمیشہ قانون کی پاسداری کی نہ خود کبھی قانون کو ہاتھ میں لیا اور نہ ہی کسی کو قانون ہاتھ میں لینے کی اجازت دی-

یہی وجہ ہے کہ جب صلح حدیبیہ کے موقع پر آپ (ﷺ) کی سہیل بن عمرو کے ساتھ صلح کی شرائط پر گفتگو ہو

---

[1](البقرہ:179)

[2](سنن ابن ماجہ، جز:2، ص:1008)

رہی تھی اور صلح کی کچھ شرائط طے پا گئی تھیں تو ان میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ جو کوئی ہماری جانب یعنی کفار مکہ کی طرف سے بغیر اجازت از خود تمہارے پاس آئے گا آپ اسے ہماری طرف لوٹا دیں گے اگرچہ وہ مسلمان ہو کر ہی پہنچے- تو اسی دوران سہیل بن عمرو جو کہ کفار کی طرف سے صلح نامہ کیلئے آیا ہوا تھا اس کا بیٹا ابو جندل کلمہ شہادت پڑھتا ہوا مسلمانوں کے پاس آ گیا-

سہیل نے کہا اے محمد (ﷺ)! یہ پہلا امر ہے جس پر صلح قرار پا چکی ہے لہٰذا میرے بیٹے کو میرے حوالے کیجئے اور ہماری طرف لوٹائیے- آپ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا صلح کی کتابت سے ابھی ہم فارغ نہیں ہوئے ہیں یہ شرط صلح کے مکمل ہونے کے بعد نافذ ہوگی مگر اس نے ضد اور ہٹ دھرمی دکھائی اور کہا کہ ہم صلح نہیں کرتے- آپ (ﷺ) نے بڑی کوشش کی حتیٰ کہ آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ اس ایک معاملے کو میری خاطر سے مستثنٰی رکھو نرمی اور آسانی پیدا کرو- لیکن وہ نہ مانا آخر کار آپ (ﷺ) نے صلح نامہ کی شرائط کو مد نظر رکھتے ہوئے ابو جندل کو ان کے سپرد کر دیا- ادھر ابو جندل پکار رہا ہے کہ اے مسلمانو! مجھے مشرکوں کے حوالے مت کرو میں مسلمان ہو کر تمہاری پناہ میں آیا ہوں-

میرے آقا کریم (ﷺ) نے ابو جندل کو صبر کی تلقین کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے فضل و کرم پر اعتماد رکھو یقیناً وہ تمہارے لئے کشادگی اور آزادی کی راہ پیدا فرمائے گا- اب ان کے ساتھ شرط طے پا چکی ہے اور عہد باندھا جا چکا ہے- غدر اور بے وفائی ہمارا کام نہیں-[3]

اسی طرح جب آپ (ﷺ) صلح کے بعد حدیبیہ سے مدینہ منورہ تشریف لائے تو ابو بصیر (رضی اللہ عنہ) مسلمان ہو کر مکہ سے فرار ہو کر آپ (ﷺ) کی بارگاہ میں پہنچے کفار مکہ نے ان کے مطالبہ کے لئے دو آدمی آپ (ﷺ) کی بارگاہ میں بھیجے ایک بنو عامر میں سے تھا اور دوسرا کوثر نامی اس کا ملازم و ساتھی تھا- ان دونوں نے ایک خط حضور نبی کریم (ﷺ) کی بارگاہ میں پیش کیا جس میں لکھا تھا کہ آپ بمقتضائے صلح جو صلح حدیبیہ میں طے ہو چکا ہے ابو بصیر کو لوٹا دیں- آپ (ﷺ) نے ابو بصیر کو ان کے سپرد کر دیا تو انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ (ﷺ) آپ مجھے مشرکوں کی طرف بھیج رہے ہیں- رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے اس قوم کے ساتھ عہد باندھا ہے ہمارا ان کے ساتھ ایک معاہدہ ہے اور تم جانتے ہو کہ ہمارا کام غدر و بے وفائی نہیں ہے- جاؤ اللہ تعالیٰ تمہارے کام میں کشادگی فرمائے گا اور فراخی اور آزادی کی کوئی راہ پیدا کر دے گا-

پھر وہ دونوں مشرک حضرت ابو بصیر کو لے کر مکہ روانہ ہو گئے جب وہ مقام ذوالحلیفہ پر پہنچے تو حضرت ابو بصیر نے موقع پا کر عامری کو اس کی تلوار ہی سے مار دیا اور دوسرا بھاگ گیا حضرت ابو بصیر نے واپس آکر آپ کی بارگاہ میں عرض کی کہ آپ نے تو مجھے ان کے سپرد کر کے اپنے عہد کو پورا کر دیا اب مجھے اللہ تعالیٰ نے ان سے آزادی بخشی اور ان کے شر سے محفوظ رکھا تو حضور نبی کریم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا: یہ ابو بصیر تو جنگ کی آگ بھڑکانے والا اور تیز کرنے والا ہے-[4]

ذرا ان دونوں واقعات کو سامنے رکھ کر سوچیں! ایک طرف کفار مکہ اور دوسری طرف دو مسلمان- مسلمانوں کے جانی دشمن کفار مکہ ان دو مسلمانوں کی حوالگی کا مطالبہ کر رہے ہیں- دوسری طرف دونوں مسلمان دوہائیاں دے رہے ہیں کہ ہم مسلمان ہو کر تمہاری پناہ میں آئے ہیں- اے مسلمانو! ہمیں ان کے سپرد نہ کرنا یہ ہم پر ظلم و ستم کریں گے- یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی- کیا کوئی سوچ سکتا ہے کہ اس کرب و دکھ بھری کیفیت و حالت میں آپ (ﷺ) اور آپ کے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) دل سے یہ چاہتے ہوں کہ ان کو کفارِ مکہ کے حوالے کر دیا جائے- ہر گز ایسا نہیں بلکہ ان کی تو یہ شدید آرزو اور تمنا تھی کہ کوئی ایسا راستہ نکل آئے کہ ان کو سپرد نہ کیا جائے لیکن مجبوری یہ تھی کہ ان کے ساتھ ایک معاہدہ طے پا گیا تھا- لہٰذا آپ (ﷺ) نے خود معاہدہ کی خلاف ورزی کی نہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کو اجازت دی- بلکہ آپ (ﷺ) نے معاہدہ کی پاسداری کر کے امت کو یہ پیغام دیا کہ چاہے کوئی فردِ واحد ہو یا افراد کی صورت میں ہجوم، کسی کو بھی طاقت کے بل بوتے پر کسی کے ساتھ زیادتی کرنے، کسی کو یرغمال بنانے یا کسی کی موت

[3] (سیرت ابن ھشام، جز:2، ص:318)

[4] (سبل الھدی والرشاد، جز:5، ص:61-62)

اور زندگی کا از خود فیصلہ کرنے اور قانون کو ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب حضرت ابو بصیر آدمی کو قتل کر کے آپ (ﷺ) کی بارگاہ میں پہنچے تو آپ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا اور فرمایا کہ ابو بصیر تو جنگ کی آگ بھڑکانے والا اور تیز کرنے والا ہے۔

حضرت براء بن عازب (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم (ﷺ) کے سامنے سے ایک یہودی گزرا جس کا منہ کالا کیا ہوا تھا اور اس کو کوڑے مارے جا چکے تھے۔ آپ نے یہودیوں کو بلا کر فرمایا کہ کیا تمہاری کتاب میں زنا کی سزا یہی ہے انہوں نے کہا ہاں پھر آپ نے ایک یہودی عالم کو بلا کر فرمایا میں تمہیں اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات کو نازل فرمایا۔ کیا تمہاری کتاب میں زنا کی سزا یہی ہے اس نے عرض کی کہ اگر آپ مجھے یہ قسم نہ دیتے تو میں آپ کو کبھی نہ بتاتا۔ ہماری کتاب میں زنا کی سزا رجم ہے لیکن ہمارے معزز لوگ بکثرت زنا کرتے ہیں تو جب ہم کسی معزز شخص کو پکڑتے تو اس کو چھوڑ دیتے جب کسی غریب کو پکڑتے تو اس پر حد جاری کر دیتے۔ سو ہم نے کہا چلو ہم سب مل کر ایک ایسی سزا تجویز کر لیں جس کو ہم معزز اور غیر معزز ہر شخص پر جاری کر سکیں۔ پھر ہم نے کوئلے سے منہ کالا کرنے اور کوڑے مارنے کو رجم کی جگہ حد مقرر کر دیا۔

تو اس وقت آپ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا اے اللہ! سب سے پہلے میں تیرے حکم کو اس وقت زندہ کرتا ہوں جبکہ یہ لوگ اس حکم کو مار چکے ہیں چنانچہ آپ کے حکم سے وہ شخص رجم کیا گیا۔[5]

اس حدیث پاک سے بھی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کسی کو بھی قانون ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں کیونکہ جب سب یہودیوں نے مل کر زنا کی سزا رجم کی جگہ صرف منہ کالا کرنا اور کوڑے مارنا مقرر کی تو یہ بھی قانون کو ہاتھ میں لینے کے مترادف ہے۔ تو آقا کریم (ﷺ) نے اس شخص کو رجم کروا کر یہ واضح پیغام دیا کہ تم کون ہوتے ہو قانون کے ماوراء فیصلہ کروانے والے۔ لہٰذا اس آدمی کی سزا قانون کے مطابق ہو گی اور وہ رجم ہے۔

اسی طرح حضرت علی (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ آقا کریم (ﷺ) نے مجھے یمن کی طرف بھیجا تو وہاں ایک قوم نے شیر کا شکار کرنے کے لئے ایک گڑھا کھودا اور شیر اس میں گر گیا اس کے بعد گڑھے پر لوگوں کا رش لگ گیا تو اس دوران ایک آدمی گڑھے میں گرنے لگا تو اس آدمی نے بچنے کیلئے دوسرے آدمی کو پکڑا اسی طرح دوسرے نے تیسرے کو پکڑا یہاں تک کہ اسی صورت حال میں چار آدمی گڑھے میں جا گرے اور شیر نے انہیں زخمی کیا اور وہ بے چارے مر گئے۔ لوگ مشتعل ہو گئے اور وہ ہتھیار اٹھا کر گڑھا کھودنے والوں کو مارنے کیلئے تیار ہو گئے۔ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ میں ان کے پاس آیا اور کہا کہ تم چار آدمیوں کے بدلے دو سو آدمیوں کو قتل کرو گے۔ آؤ میں تمہارے درمیان فیصلہ کرتا ہوں اگر تمہیں میرا فیصلہ پسند آجائے تو ٹھیک ورنہ اس معاملے کو آقا کریم (ﷺ) کی بارگاہ میں لے جانا وہ فیصلہ کرنے کا زیادہ حق رکھتے ہیں تو مولا علی نے شریعت کے مطابق ان کے درمیان دیت کا فیصلہ کر دیا تو بعضوں نے اس فیصلے کو پسند کیا اور بعض نے انکار کیا آخر کار معاملہ آپ (ﷺ) کی بارگاہ میں پیش کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ فیصلہ اسی طرح ہے جس طرح حضرت علی (رضی اللہ عنہ) نے کیا ہے۔[6]

ذرا اس حدیث مبارکہ پر غور فرمائیں کہ چار آدمیوں کے گڑھے میں مر جانے کی وجہ سے جب لوگوں نے مشتعل ہو کر خود فیصلہ کرنا چاہا تو حضرت علی نے مداخلت کی اور ان کی سرزنش کی کہ کیا چار آدمیوں کے بدلے پوری قوم کا قتل کرو گے۔ تو آپ کا مداخلت کرنا اور انہیں ڈانٹنا اس بات کی عکاسی کر

[5] (صحیح مسلم، باب رجم الیہود)

[6] (سبل الھدی والرشاد، جز:9، ص:213)

رہاہے کہ آپ انہیں سمجھا رہے تھے-کہ تمہیں قانون کو ہاتھ میں لے کر از خود فیصلے کرنے کی کوئی اجازت نہیں ہے آؤ تمہارا فیصلہ میں کرتا ہوں اور پھر آقا کریم (ﷺ) نے اس فیصلے کے درست ہونے کی تصدیق بھی کر دی-تو معلوم ہوا کہ کسی بھی فرد واحد یا مشتعل ہجوم کو ماوراء حاکم یا قاضی یا ماوراء عدالت قانون کو اپنے ہاتھ میں لے کر از خود فیصلے کرنے کی قطعاً اجازت نہیں ہے-

اسی طرح جب لوگ آپ (ﷺ) کی بارگاہ میں اپنے معاملات کا فیصلہ کرانے کیلئے حاضر ہوتے تھے تو آپ نے کبھی بھی یہ نہیں فرمایا کہ فیصلہ تم خود کر لو بلکہ فیصلہ یا تو خود کیا ہے یا کسی صحابی کو ان کے درمیان فیصلہ کرنے کا حکم فرمایا ہے مثال کے طور پر حضرت معقل بن یسار بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (ﷺ) نے مجھے ایک قوم کے درمیان فیصلہ کرنے کا حکم دیا-[7]

حضرت عمرو بن العاص بیان کرتے ہیں کہ دو آدمیوں نے حضور نبی کریم (ﷺ) کے پاس آکر اپنا مقدمہ پیش کیا آپ نے حضرت عمرو بن العاص کو حکم دیا کہ آپ ان کے درمیان فیصلہ کر دیں-[8]

اسی طرح حضرت عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ دو فریق جھگڑا لے کر آپ (ﷺ) کی بارگاہ میں آئے آپ (ﷺ) نے فرمایا: اے عقبہ! چلو ان کے درمیان فیصلہ کر دو-[9]

معزز قارئین! یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جب اسلام کی سرحدیں پھیل گئیں اور آپ کی مصروفیات بڑھ گئیں تو آپ نے اسلامی علاقوں میں حضرات صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کو حاکم مقرر کر کے بھیجا تو آپ نے ان حضرات کو انتظامی امور کے ساتھ قضاء کی اضافی ذمہ داری بھی عطا فرمائی جو کہ لوگوں کے معاملات کے فیصلے بھی کرتے تھے-آپ نے حضرت علی، حضرت معاذ بن جبل، حضرت موسیٰ اشعری کو یمن بھیجا اور حضرت علاء بن حضرمی کو بحرین کا قاضی مقرر کیا-حضرت عتاب بن اسید کو مکہ کا قاضی مقرر کیا-حضرت دحیہ کلبی کو یمن کے ایک علاقے کا قاضی مقرر کیا اور حضرت عمر بن خطاب- حضرت ابی بن کعب، حضرت زید بن ثابت اور حضرت عبد اللہ بن مسعود کا بھی آپ (ﷺ) کے قاضیوں میں شمار ہوتا تھا-[10]

ذرا غور کریں کہ اگر عوام نے فیصلے خود ہی کرنے ہوتے تو ان حضرات کو قاضی بنانے کا مقصد کیا تھا-لہٰذا! آپ (ﷺ) کا لوگوں کے درمیان فیصلے کے لئے کسی صحابی کو حکم دینا اور مختلف صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کو مختلف علاقوں اور جگہوں میں قاضی بنانے کی بھی یہی حکمت کار فرما تھی-اس لئے ہمارے لئے یہ ضروری ہے کہ ہمیں بھی ریاست کے قانون و ضوابط کا پابند رہنا چاہیے اور کسی موڑ پر بھی ریاست کو چیلنج نہیں کرنا چاہیے کیونکہ ریاست میں رہتے ہوئے قانون کو ہاتھ میں لینا ریاست کو چیلنج کرنے کے مترادف ہے-

قارئین! یہاں یہ بھی چیز بالخصوص مد نظر رکھنی چاہیے کہ قانون کو ہاتھ میں لے کر خود فیصلہ نہ کرنے کا جو معاملہ ہے یہ مسلمان کا مسلمان تک محدود نہیں ہے بلکہ یہ قانون اسلامی ریاست میں بسنے والی غیر مسلم اقلیتوں پر بھی نافذ ہوگا-ایسا نہیں ہوگا کہ مسلمان کو تو ہم ایک قانونی اور عدالتی طریقہ کار کے تحت کسی معاملے میں سزا دلوائیں اور کسی اقلیتی فرد کے معاملے میں قانون اور عدالت کے ماوراء از خود فیصلے کرنا شروع کر دیں-اسلام ہر گز اس کی اجازت نہیں دیتا-امام ابو یوسف اپنی کتاب کتاب الخراج میں لکھتے ہیں کہ عہد نبوی (ﷺ) اور خلافتِ راشدہ میں تعزیرات اور دیوانی قانون دونوں میں مسلمان اور غیر مسلم اقلیت کا درجہ مساوی ہے-[11]

اس لئے اگر غیر مسلم سے کوئی ایسا معاملہ سرزد ہو جاتا ہے کہ جس کی وجہ سے اس پر شرعی اور قانونی گرفت آتی ہے تو ایسا نہیں ہوگا کہ غیر مسلم سمجھتے ہوئے قانونی اور عدالتی طریقہ کار سے ہٹ کر کوئی فرد واحد یا عوام کا ایک ہجوم خود عدالت لگا کر اس کا فیصلہ کر دے-بلکہ ایک مسلمان کی طرح اسے بھی ریاستی قانون اور عدالتی نظام کے تحت سزا دلوائی جائے گی-

---

[7](مجمع الزوائد، جز:4، ص:193)

[8](مسند احمد، جز:4، ص:205)

[9](ایضاً)

[10](شرح صحیح مسلم از علامہ غلام رسول سعیدی، جز:5، ص:46)

[11](کتاب الخراج، ص:187)

یہ اسلام کی خوبصورتی ہے کہ جس طرح وہ اپنے معاشرت کے لوگوں کا تحفظ کرتا ہے اور انہیں قانونی اور آئینی حق دیتا ہے-اسی طرح اسلامی ریاست میں بسنے والے غیر مسلم اقلیتوں کو بھی نہ صرف تحفظ دیتا ہے بلکہ انہیں بھی قانونی اور آئینی حق دیتا ہے-اسی لئے تو آقا کریم (ﷺ) کا فرمان مبارک ہے کہ خبر دار! جس کسی نے کسی معاہد (اقلیتی فرد) پر ظلم کیا یا اس کا حق غضب کیا یا اس کو اس کی استطاعت سے زیادہ تکلیف دی یا اس کی رضا کے بغیر اس سے کوئی چیز لی تو بروز قیامت میں اس کی طرف سے (مسلمان کے خلاف) جھگڑوں گا-[12]

تو یہ محض ایک تنبیہ اور وعید ہی نہیں ہے بلکہ یہ ایک قانون ہے جو آقا کریم (ﷺ) نے ہمیں عطا کیا ہے جو آج تک قائم ہے-اگر کوئی شخص کسی پر ظلم و زیادتی کرتا ہے چاہے مسلم ہو یا غیر مسلم، کسی اسلامی شعار کی توہین کرتا ہے یا کوئی گستاخی کرتا ہے تو صرف اسی موصوف کو یا جو شریک جرم ہیں انہیں قانون کے کٹہرے میں لاکر سزا دلوائی جائے گی-ایسا نہیں ہو گا کہ ہم اس کے جرم کی پاداش میں اس کے دوسرے ہم مذہبوں کو رگڑ کر رکھ دیں اور مشتعل ہو کر ان کی املاک، ان کے گھروں، عبادت گاہوں اور ان کے گرجا گھروں کو نقصان پہنچائیں یہ سراسر ناانصافی ہو گی-رسول کریم (ﷺ) نے اہل نجران کو جو خط لکھا تھا اس میں یہی چیز بڑی وضاحت کے ساتھ ملتی ہے-آپ نے ارشاد فرمایا نجران اور ان کے حلیفوں کو اللہ اور اس کے رسول کی پناہ حاصل ہے ان کی جانیں، ان کی شریعت، زمین و اموال ان کی عبادت گاہوں اور ان کے گرجا گھروں کی حفاظت کی جائے گی اور ان کی زیر ملکیت ہر چیز کی حفاظت کی جائے گی-[13]

اچھا بعض اوقات یہ بھی سننے کو ملتا ہے کہ پاکستانی عدالتوں سے انصاف نہیں ملتا ملزم چھوٹ جاتے ہیں یا انصاف کا حصول سست روی کا شکار ہو جاتا ہے تو اس سے بہتر ہے کہ ہم خود فیصلہ کر لیں تو لوگوں کا یہ گلہ اور شکوہ اپنی جگہ، گو کہ ہمارے عدالتی نظام بلکہ ہر ادارے میں بہتر سے بہتر تر کے لئے عملی اقدامات اٹھانے کی ضرورت ہے لیکن اس چیز کو بنیاد بنا کر از خود فیصلے کرنا یہ بھی قانونی اور عقلی طور پر کسی بھی طریقے سے درست نہیں چاہے کچھ بھی ہو پاکستان ایک اسلامی ریاست ہے اور اس کا ایک عدالتی نظام موجود ہے ہم اس کے خلاف نہیں جا سکتے-ہمارا کام ملزم کے خلاف ٹھوس ثبوت اور شواہد پیش کر کے اس کو قانون کے کٹہرے میں لانا ہے-آگے عدالت جانے اور ملزم جانے اگر عدالت جان بوجھ کر درست فیصلہ نہیں کرتی یا لٹکائے رکھتی ہے تو اس چیز کا وبال اس پر ہو گا ہم پر نہیں، ہم بری الذمہ ہیں-

اس لیے ہم سب کے لئے ضروری ہے کہ ہم سیرت النبی (ﷺ) کا مطالعہ کریں، اس کو اپنائیں اور اسلام کے مزاج کو سمجھیں اسلام امن و سلامتی اور قانونی دائرہ کار کے تحت زندگی گزارنے کا درس دیتا ہے-دین اسلام میں انتہا پسندی، شدت پسندی اور جبر و تشدد کا کوئی تصور نہیں ہے-

حقیقت بات ہے کہ ہم انتہا پسندانہ رویے اختیار کر کے نہ صرف ریاستِ پاکستان کی بنیادوں کو کمزور کر رہے ہیں بلکہ اسلام کے امن و سلامتی کے تشخص کو بھی مجروح کر رہے ہیں جس کی وجہ سے پھر اسلام مخالف قوتوں کو اسلام کے خلاف ہرزہ سرائی کا موقع مل جاتا ہے جس میں ہم سب مسلمانوں کا نقصان ہے-

لہٰذا! بحیثیت مسلمان ہونے کے ہم سب محبوب کریم (ﷺ) کی محبت بھری تعلیمات کو نہ صرف فکری و نظریاتی طور پر تسلیم کریں بلکہ اپنے معاشرے میں ان کا عملی اظہار بھی کریں اور ایک قانونی دائرہ کار کے تحت اپنی زندگی گزاریں تاکہ ہمارے معاشرے کا نظم و نسق اور امن برقرار رہے جو کہ ایک مضبوط اور اسلامی معاشرے کی پہچان ہے-

☆☆☆

[12](سنن ابی داؤد، جز:3، ص:170)

[13](الطبقات الکبریٰ للسعد، جز:1، ص:220)

سائبر کرائم کا تدارک سیرتِ طیبہ ﷺ کی روشنی میں

لئیق احمد

سائبر کرائم پر ایک طائرانہ نظر:

تہذیب یافتہ معاشرے ہمیشہ قانون کی پاسداری کرتے ہیں اور اگر کوئی معاشرے کے امن و امان کو سبوتاژ کرنے کی جسارت کرتا ہے یا معاشرے کی سالمیت کے لئے بنائے گئے قانونی ضابطوں کی خلاف ورزی کرتا ہے تو وہی قانون مجرم کی گرفت کرکے اس کی جانب سے سرزد ہوئے جرم پر سزا عائد کرنے کا مؤجب ٹھہرتا ہے-انسان ترقیاتی مراحل طے کرتے ہوئے اس وقت جدیدیت اور بھرپور تکنیکی صلاحیتوں سے مالا مال معاشرے میں سانس لے رہا ہے جہاں ہر چیز ڈیجٹلائیزڈ (Digitalized) ہو چکی ہے-انٹرنیٹ اور کمپیوٹر کے آنے سے طرزِ زندگی اور سوچ کا زاویہ بدل گیا ہے اور ان جدید طرزیات نے افراد کی کارکردگی اور انسانی ابلاغ میں اپنا مؤثر ترین حصہ شامل کیا ہے-معلوماتی اور ابلاغی ٹیکنالوجی نے گزشتہ ایک دہائی کے دوران دنیا کو حقیقی معنوں میں عالمی گاؤں (global village) بنادیا ہے-ٹیکنالوجی میں جدت طرازی سے سماجی و اقتصادی ترقی کی جہت میں اضافہ ہوا اور نتیجتاً سائبر اسپیس کے صارفین کے لیے تجارتی، اقتصادی، ثقافتی اور سماجی مواقع پیدا ہو رہے ہیں-[1] ایک رپورٹ کے مطابق دنیا کی 62 فیصد آبادی اور مغربی یورپ میں 94 فیصد لوگ انٹرنیٹ صارفین ہیں- تقریباً 91 فیصد لوگ سمارٹ فون کے ذریعے انٹرنیٹ تک رسائی حاصل کرتے ہیں، 71 فیصد لیپ ٹاپ یا ڈیسک ٹاپ پی سی جبکہ 30 فیصد لوگ آفس ملازمت کی جگہوں پہ میسر کردہ آلات سے انٹرنیٹ تک رسائی حاصل کرتے ہیں[2]

جہاں ان سہولتوں سے استفادہ کیا جارہا ہے وہیں انٹرنیٹ کے ذریعے مختلف جرائم کی ایک طویل فہرست بھی مرتب ہو چکی ہے جسے سائبر کرائم (cyber crime) کہا جاتا ہے-سائبر کرائم کیا ہے؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جو بہت سے لوگوں کے ذہن میں اٹھتا ہے جو انٹرنیٹ کا استعمال کرتے ہیں-سائبر کرائم کا مطلب ہے کہ کسی بھی معلومات، شخص یا ادارے کی ساخت کو نقصان پہنچانا یا پھر کسی صورت مواد کو چرانا یا اس میں ترمیم کر دینا-اس کے علاوہ کسی بھی نوعیت کے تحت ڈیجیٹل پلیٹ فارمز کے ذریعے انٹرنیٹ صارفین یا کسی بھی اداروں کو دھمکانا بھی اس میں شامل ہے-یہ جرائم کئی قسم کے ہوسکتے ہیں جیسے کہ ڈیجیٹل جعل سازی، ہیکنگ، سائبر اسٹاکنگ، سائبر مالیاتی فراڈ، سوشل میڈیا فراڈ، کسی فرد یا ادارے کے خلاف نفرت انگیز مواد کا پھیلاؤ، ڈیٹا کی چوری، کسی اسکیم کے نتیجے میں رشوت و بھتہ خوری، ہراسگی اور بچوں کی فحاش نگاری وغیرہ-[3]

سائبر حملوں کی چند مثالیں:

عصرِ حاضر میں حملوں کی نوعیت بھی تبدیل ہوتی جارہی ہے-جس طرح گھوڑوں کی جگہ ٹینکوں اور تلوار کی جگہ میزائل نے لی اسی طرح جدت طرازی میں حملوں کے لئے میدانِ جنگ میں فریقین کا ہونا لازم نہیں رہا، انٹرنیٹ کے ذریعے وہ تمام حملے ہو رہے ہیں جو شخصی، مالی، کاروباری نقصان کا باعث بنتے ہیں-یہ

[1] MoITT – National cyber security policy 2021, p.1

[2] Pattnaik, N., et, al. (2023). Perspectives of non-expert users on cyber security and privacy: An analysis of online discussions on twitter. Computers & Security, 125, 103008. https://doi.org/10.1016/j.cose.2022.103008

[3] FIA, categories of cybercrime. Retrieved from: https://www.fia.gov.pk/ccw

cyber attacks دراصل بدنیتی پر مبنی کارروائیاں ہوتی ہیں جو کمپیوٹر سسٹم تک غیر مجاز رسائی کے ذریعے دوسرے کے اثاثوں کو چوری کرنے، بے نقاب کرنے، تبدیل کرنے، غیر فعال کرنے یا پھر تباہ کرنے کے ارادے سے کی جاتی ہیں-[4] سائبر حملے کسی بھی ایک فرد یا گروہ یا قومی ریاستوں کی طرف سے مختلف وجوہات کی بنا پر دوسروں پر کیئے جاتے ہیں جن میں مالی فائدہ، سیاسی ایجنڈا، ذاتی انتقام، یا نظریاتی عقائد وغیرہ شامل ہیں-

ransomware نامی کرپٹو وائرس کی وجہ سے 2017 میں تقریباً 150 ممالک میں تین لاکھ سے زائد کمپیوٹرز بند ہوئے، اس cyber attack میں تمام کمپیوٹر سکرین پر ایک آپشن رونما ہوا جس میں کمپیوٹر کی بحالی کے لئے 300 ڈالر کی مانگ کی گئی تھی-[5] اسی طرح 2021ء میں فلوریڈا کے ایک علاقے کے اندر ہیکرز نے آبی فراہمی کے نظام کی پروگرامنگ کو ہیک کیا اور اس میں خطرناک حد تک ہائڈروجن پر آکسائیڈ کی مقدار کو بڑھانے کی سازش کی تھی لیکن اس پر بروقت قابو کر لیا گیا ورنہ یہ ایک بہت بڑے سانحہ کے طور پر سامنے آتا-[6] اسی طرح پاکستان میں خاتون گلوکارہ نے ایک مرد گلوکار پر جنسی ہراسانی کا الزام عائد کیا تھا- نتیجتاً بارہا غیر حاضری اور ثبوت کی عدم دستیابی پہ الزامات ثابت نہ ہو سکے اور ملزم نے تہمت لگانے والی خاتون پر کیس دائر کیا اور پاکستان کے سائبر قانون کے تحت ان پر cyber stalking, terrorism and defamation کا کیس دائر کیا اور کورٹ نے فیصلہ ان کے حق میں دیا-[7] ایک رپورٹ کے مطابق ہر دس میں سے چوتھی امریکی شہری آن لائن ہراسانی کا شکار ہیں جن میں سے چند شدید نوعیت کی ہراسگی سے بھی دوچار ہوتے ہیں-[8] کورونا لاک ڈاؤن کے دوران پاکستان میں آن لائن ہراسگی کیسوں کی رپورٹنگ میں بہت زیادہ اضافہ ہوا تھا-[9] ایسے خدشات اور سنگین نتائج کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے انٹرنیٹ صارفین کیلئے cyber security کی فراہمی یقینی بنانے کی کوشش کی جاتی ہے تاکہ data breach (معلومات کی غیر متعلقہ شخص تک رسائی)، phishing (ای میل ڈیٹا چوری کرنا)، web hijacking (کسی کی ویب سائٹ پر کنٹرول کرکے اس کا ڈیٹا تبدیل کر دینا) سمیت تمام تر سائبر جرائم سے حتی الامکان محفوظ رہا جاسکے اور لوگ اطمینان کے ساتھ آن لائن کام اور سماجی تعامل کریں اور مناسب حل کے ذریعے کاروبار اور حکومتوں کو ابلاغ میں بہتری حاصل ہو سکے-[10] ویسے بھی راز داری (privacy) کے خدشات تو انٹرنیٹ اور کمپیوٹر شئیرنگ کے آغاز سے ہی زیرِ بحث رہے ہیں- سائبر پرائیوسی کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ بنیادی طور پر یہ صارف کی جانب سے کی گئی توقع ہے بلکہ صارف کا حق ہے کہ جب وہ انٹرنیٹ استعمال کرے تو اس کی شخصی و ذاتی معلومات محفوظ رہیں اور کوئی تیسرا فریق ان معلومات تک کسی صورت رسائی حاصل نہ کر سکے- کیونکہ ذاتی معلومات میں گھر کا پتہ، فون نمبر، طبی معالجے کی تاریخ اور مالی ریکارڈ جیسا حساس ڈیٹا شامل ہوتا ہے- اگر یہ معلومات بے تواضعی سے استعمال کی جائیں تو ان کے نقصانات کا نتیجہ ابتر ہو سکتا ہے اور بدقسمتی سے سوشل میڈیا کا استعمال ہو یا محض انٹرنیٹ سرچنگ، یہ ایک ایسی سرگرمی بن گئی ہے جس میں ذاتی سالمیت کو خطرہ لاحق رہتا ہے-[11]

عالمی قوانین کا اجمالی جائزہ:

دنیا بھر میں مختلف تہذیبوں میں امن وامان کی پاسداری کی خاطر اور جرائم کے قلع قمع کرنے کی وجہ سے قوانین اور

---

[4]IBM. What is a cyberattack? Retrieved from: https://www.ibm.com/topics/cyber-attack

[5]Chapelle, Bill. 2017. WannaCry Ransomware: What We Know Monday. NPR. Retrieved from: https://www.npr.org/sections/thetwo-way/2017/05/15/528451534/

[6]Atkins, Harris. 2022. The biggest cyberattacks in history. History Hit. Retrieved from: https://www.historyhit.com/the-biggest-cyberattacks-in-history/

[7]Ibrahim, N. (2020, December 3). Pakistan's #MeToo case highlights controversial cybercrime law. Snopes. Retrieved from: https://www.snopes.com/news/2020/12/03/metoo-pakistan-cybercrime/

[8]Vogels, A. E. (2021, May 25). The State of Online Harassment | Pew Research Center. Pew Research Center: Internet, Science & Tech. Retrieved from: https://www.pewresearch.org/internet/2021/01/13/the-state-of-online-harassment/

[9]Rehman, F. & Burhan Uddin, K. 2021. Cybercrime peaked in Pakistan during the lockdown — will 2021 be any different? Geo News. Retrieved from: https://www.geo.tv/latest/327267/

[10]Microsoft. What is cybersecurity? Microsoft Security. Retrieved from: https://www.microsoft.com/en-us/security/business/security-101/what-is-cybersecurity

[11]M, J. (2023). What is internet privacy & Why it matters? Internet Privacy. Retrieved from: https://www.internetprivacy.com/what-is-internet-privacy/

ضوابط کو سختی سے عمل درآمد کیا جاتا ہے- کئی بین الاقوامی قوانین سائبر کرائم کی ضمن میں بھی نافذ العمل ہیں- عالمی تنظیم کونسل سائبر کرائم (جس کو بڈاپیسٹ کنونشن کے نام سے بھی جانا جاتا ہے) در اصل سائبر کرائم پر پہلا بین الاقوامی معاہدہ ہے- اس معاہدے نے سائبر کرائم کو باقاعدہ جرم قرار دیا اور اپنے 66 ممبران کے مابین سائبر کرائم سے نبٹنے کیلئے مشترکہ فریم ورک فراہم کیا-[12] جبکہ اقوام متحدہ کا ذیلی ادارہ روک تھام برائے منشیات و جرائم عالمی سطح پر سائبر کرائم سے بچنے کے لئے قوانین کے نفاذ میں تکنیکی معاونت کرتا ہے-[13] اسی طرح سائبر سیکیورٹی کے حوالے سے اقوام متحدہ کا ادارہ ITU بھی کئی جہتوں سے اپنی خدمات سرانجام دے رہا ہے جیسے عالمی سائبر سیکیورٹی ایجنڈا، آئی ٹی یو ڈی سیکیورٹی پروگرام و دیگر- بعین اسی طرح اقتصادی تعاون اور ترقی کی بین الاقوامی تنظیم OECD اپنے 38 ممبر ممالک میں سائبر سیکورٹی اور ڈیجیٹل اقتصاد کے مسائل پر رہنمائی اور سفارشات فراہم کرتی ہے-[14] افریقہ کے براعظم میں 2011ء میں سائبر سیکیورٹی اور ذاتی ڈیٹا کی حفاظت کے لئے مکمل فریم ورک تیار کیا گیا جو اس براعظم کے 55 ممالک پر نافذ العمل ہے-[15] سائبر کرائم کا مقابلہ کرنے کے لئے مختلف خطوں نے اپنے معاہدے اور فریم ورک تیار کیے ہیں- جنوب مشرقی ایشیاء اور یورپی یونین کے بھی اسی طرح اپنے اپنے قوانین اور فریم ورک موجود ہیں جس پر خطے بھر میں عمل کیا جاتا ہے- پاکستان میں بھی اس متعلق کئی قوانین ہیں جن میں برقی ٹرانزکشن آرڈیننس (ETO)، برقی جرائم کی روک تھام کے قوانین (PECA)، قومی سائبر سیکیورٹی پالیسی 2021 و دیگر شامل ہیں- الغرض یہ کہ تمام تر قوانین کا مقصد و محور محض امن و انصاف کی فضا کو قائم رکھنا ہے- اب سائبر کرائم اور سیکیورٹی کے متعلق چند رہنما اصول ہم سیرتِ طیبہ (ﷺ) کی روشنی میں دیکھیں گے کیونکہ انسانی فلاح و بہبود کی صورت میں ریاستِ مدینہ کی مثال آج بھی اعلیٰ و ارفع ہے-

جھوٹ کی ترویج:
(Flow of Misinformation)

جھوٹ بولنا، جعلی خبروں کا ابلاغ اور غلط معلومات کی فراہمی انٹرنیٹ بالخصوص سوشل میڈیا پر عام رواج بن گیا ہے جبکہ یہ افراد، تنظیموں اور معاشرے کے لئے سنگین نتائج مرتب کر سکتے ہیں- جھوٹ کی بالادستی سے اعتماد اور اعتبار کم ہوتا ہے، جمہوریت کمزور پڑتی ہے، جذباتیت پیدا ہو سکتی ہے- حتیٰ کہ خوف اور الجھن کے باعث ذہنی بگاڑ بھی پیدا ہو سکتا ہے- مخصوص ایجنڈا کے تحت انٹرنیٹ پر جھوٹا پروپیگنڈا اور افواہیں پھیلائی جاتی ہیں جبکہ جھوٹ گوئی اخلاقی پستی کی بھی انتہا ہے-

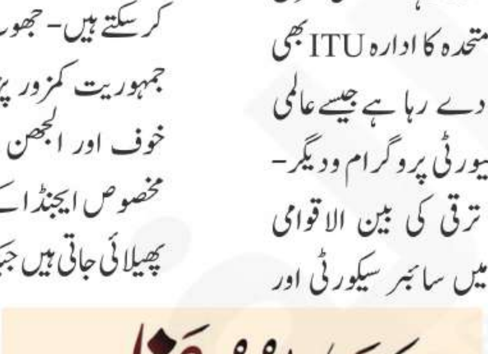

حضرت انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا: ”کیا تمہیں کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑا گناہ نہ بتاؤں؟“ فرمایا: ”جھوٹ بولنا (یا فرمایا: جھوٹی گواہی دینا)“-[16]

سوشل میڈیا پر طنز و مزاح کے نام پر لغو گوئی، فسق و فجور کا بازار گرم رہتا ہے- حالانکہ وہی مزاح کسی کی ذاتیات کو نقصان پہنچانے کے مترادف بھی ہوتا ہے- ایسا مزاح جس میں جھوٹ ہو اور وہ کسی کے لئے باعث تضحیک ہو تو وہ انداز روا رکھنا بھی اخلاقاً نامناسب ہے- حدیث مبارکہ میں آیا ہے:

”سیدنا ابو امامہ (رضی اللہ عنہ) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا: ”میں ذمہ دار ہوں ایک محل کا، جنت کی ایک جانب میں، اس شخص کیلئے جو جھگڑا چھوڑ دے، اگرچہ حق پر ہو اور ایک محل کا، جنت کے درمیان

[12]UNODC (2004) International Human Rights and Cybercrime Law.
https://www.unodc.org/e4j/en/cybercrime/module-3/key-issues/international-human-rights-and-cybercrime-law.html
[13]UNCTAD, Cybercrime Legislation Worldwide.
https://unctad.org/page/cybercrime-legislation-worldwide

[14]OECD, Digital security risk management. Retrieved from: https://www.oecd.org/sti/ieconomy/Digital-Security-Risk-Management.htm
[15]CCDCOE, African Union 2011.
https://ccdcoe.org/organisations/au/

[16](صحیح مسلم، رقم الحدیث: 261)

میں، اس شخص کے لیے جو جھوٹ چھوڑ دے، اگرچہ مزاح ہی میں ہو، اور جنت کی اعلیٰ منازل میں ایک محل کا اس شخص کیلئے جو اپنے اخلاق کو عمدہ بنالے"-[17]

غلط پروپیگنڈا پھیلانا (Disinformation)

وہ غلط معلومات جن کی دانستہ طور پر ترویج کی جاتی ہے اور سچ میں جھوٹ کو خلط ملط کر کے پیش کیا جاتا ہے تاکہ عوامی رائے پر اثر ڈالا جا سکے یا فرد اور کسی تنظیم کو نقصان پہنچایا جا سکے- ایسی کمپین عموماً غیر قانونی یا غیر رسمی حملوں پر مبنی ہوتی ہیں جیسے ہیکنگ، ڈیٹا چرانا، اسمگل شدہ یا ڈارک نیٹ فورم وغیرہ- اسی وجہ سے disinformation کو سائبر سیکیورٹی خدشے کے تناظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے-[18] سچ کو جھوٹ میں خلط ملط کر کے بدنی مقاصد کے حصول کی خاطر پروپیگنڈا رچنا اخلاقی طور پر بدعنوانی اور فریب کے زمرے میں آتا ہے اور فرمانِ نبوی (ﷺ) کے مطابق یہ طریقہ برکت کو ضائع کر دیتا ہے- دونوں شرکاء کا آپسی مزاج صداقت پر مبنی ہونا ضروری ہے جیسا کہ ہمیں حدیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے:

"رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا: خریدنے اور بیچنے والوں کو اس وقت (بیع ختم کر دینے کا) اختیار ہے جب تک دونوں جدا نہ ہوں- (آپ (ﷺ) نے مزید ارشاد فرمایا) پس اگر دونوں نے سچائی سے کام لیا اور ہر بات صاف صاف کھول دی تو ان کی خرید و فروخت میں برکت ہوتی ہے لیکن اگر کوئی بات چھپا کر رکھی یا جھوٹ کہی تو ان کی برکت ختم کر دی جاتی ہے"-[19]

الزام تراشی اور تضحیک (Cyber Defamation)

انٹرنیٹ کے ذریعے کسی پر بہتان بازی، الزام تراشی کرنا، کسی کی نیک نامی کو بدنامی سے بدل دینا، کسی کی عزت و آبرو کو بے عزتی اور رسوائی میں تبدیل کرنا، کسی شخص کو لوگوں کے سامنے حقیر گردانا، اس کی تحقیر کر کے اسے اس کے متعلقہ حلقے میں رسوا کروانا تاکہ لوگوں کی نظر میں قبولیت کے درجہ کو تباہ و برباد کیا جا سکے یا ذاتی، مسلکی، جماعتی، مذہبی، لسانی بنیادوں پر کسی سے بدلہ لینا، اس کی ثقاہت (credibility) کو ختم کرنا، سوشل میڈیا یا انٹرنیٹ کے دیگر پلیٹ فارم پر کسی کی عزت اچھالنا سب کچھ فی کُلِّ cyber defamation کے زمرے میں آتا ہے- سیرتِ طیبہ کے مطالعہ سے اس کے متعلق دو تصور ملتے ہیں- پہلا تصور غیبت کا ہے، ایک ایسا نقص جو کسی شخص میں موجود ہو اور اسے اس کے پیٹھ پیچھے بیان کیا جائے اور دوسرا تصور بہتان کا ہے یعنی ایسا نقص جو کسی شخص میں ہے ہی نہیں لیکن اس سے منسوب کیا جائے-[20] دونوں عمل انتہائی رذیل ہیں لیکن عصر حاضر میں سوشل میڈیا پہ اس کی کثرت عروج پر ہے- اگر کوئی شخص انٹرنیٹ کے ذریعے کسی کی ذات پر گالی کسے، بہتان بازی کرے یا کسی کا مال ہڑپے یا کسی کو ذہنی تشدد کا نشانہ بنائے تو اس حوالے سے حدیث پاک میں یہ حکم صادر ہوا ہے:

"حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا: میری امت کا مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ اور زکوٰۃ لے کر آئے گا اور اس طرح آئے گا کہ (دنیا میں) اس نے گالی دی ہو گی، بہتان لگایا ہو گا، مال کھایا ہو گا، خون بہایا ہو گا اور مارا ہو گا، تو اس کی نیکیوں میں سے اس (دوسرے شخص) کو بھی دیا جائے گا اور اگر اس پر جو ذمہ ہے اس کی ادائیگی سے پہلے اس کی ساری نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو ان (دوسرے شخص) کے گناہوں کو لے کر اس پر ڈالا جائے گا، پھر اس کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا"-[21]

کسی پر بہتان بازی یا الزام تراشی کرنا کماحقہ بدگمانی سے شروع ہوتا ہے لہٰذا کسی کے تئیں معاملے، واقعے یا بات کے سیاق و سباق کو جانے بغیر اپنی رائے قائم کر لینا سنگین نتائج کی جانب پیش رفت کروا سکتا ہے- رحمۃ اللعالمین (ﷺ) کا یہ فرمان ہمیں ازبر ہونا چاہئے:

---

[17] (سنن ابوداؤد، رقم الحدیث:4800، باب: خوش اخلاقی کا بیان)

[18] Caramancion, K. M., et, al. (2022). The Missing Case of Disinformation from the Cybersecurity Risk Continuum: A Comparative Assessment of Disinformation with Other Cyber Threats. Data, 7(4), 49. https://doi.org/10.3390/data7040049

[19] (صحیح بخاری، رقم الحدیث الحدیث:2079، کتاب: خرید و فروخت کے مسائل کا بیان)

[20] (مسلم، کتاب البر، باب تحریم الغیبہ، ترمذی، ابواب البر والصلۃ، باب ماجائی فی الغیبہ)

[21] (صحیح مسلم، کتاب: حسن سلوک، صلہ رحمی اور ادب)

"حضور نبی کریم (ﷺ) نے فرمایا: بدگمانی سے بچتے رہو کیونکہ بدگمانی کی باتیں اکثر جھوٹی ہوتی ہیں، لوگوں کے عیوب تلاش کرنے کے پیچھے نہ پڑو، آپس میں حسد نہ کرو، کسی کی پیٹھ پیچھے برائی نہ کرو، بغض نہ رکھو، بلکہ سب اللہ کے بندے آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو"۔[22]

نجی زندگی میں مداخلت:
(Cyberstalking & Doxing)

پردے میں سرزد ہوئے گناہوں کو مردود الشہادۃ سے ظاہر کرنا، کسی کی شناخت، مقام، رابطے کی تفصیلات یا دیگر حساس معلومات کو آن لائن ظاہر کرنا، ڈیجیٹل میڈیا جیسے ای میل، سوشل میڈیا یا میسجنگ ایپلیکشن کے ذریعہ بار بار کسی کی پیروی (stalk) کرنا، نگرانی کرنا، رابطہ کرنے کی کوششیں کرنا یا دھمکی دینا[23] یہ سب بدنیتی پر مبنی اور غیر قانونی عمل ہے جس سے متاثرہ شخص کو خوف، پریشانی یا نفسیاتی نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اصلاح کے بجائے بدنیتی پر مبنی ایک چھوٹا سا ویڈیو کلپ سالوں کی محنت، رفعت اور وقعت کو یک لخت ختم کر کے متعلقہ شخص کو معاشرے میں تباہ و برباد کر کے رکھ دیتا ہے۔ اسی لئے تمام انسانوں میں اعلیٰ انسان حضور نبی کریم (ﷺ) نے حکم صادر فرمایا ہے کہ:

"جو کسی مسلمان سے اس کی ایک تکلیف دور کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کی تکلیفوں میں سے ایک تکلیف دور کرتا ہے۔ جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس (کے عیبوں) کی پردہ پوشی فرمائے گا"۔[24]

لہٰذا خلوت کے گناہوں کو اچھالا نہ جائے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ستار العیوب ہے اور اللہ پاک نے اپنے نیک بندوں کی صفات میں صفائے قلب و روح کو رکھا ہے یعنی ان کا عمل کسی انسان کو تکلیف نہیں پہنچاتا، وہ تنقید برائے اصلاح کرتے ہیں اور اصلاح بھی حکمت کے ساتھ کرتے ہیں۔ الغرض اگر کوئی اس طرح کی تضحیک آمیز جسارت کر بھی جائے تو قانونی چارہ جوئی کی جائے نہ کہ وہی کام دہرایا جائے جو سامنے والا نے کیا۔ حدیث پاک میں اس متعلق یہ بیان ہوا ہے:

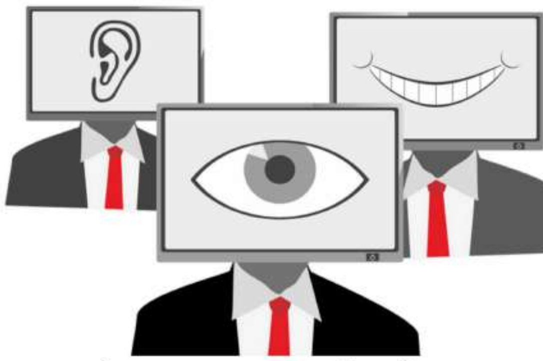

"کوئی شخص تمہیں گالی دے یا تمہارے کسی عیب پر تمہیں عار دلائے تو تم اس کے کسی عیب پر اسے عار نہ دلاؤ۔ اس کا وبال اس کے سر ہوگا"۔[25]

کسی کے گناہوں کا پرچار کرنا مومن کی صفت نہیں۔ ہوش مندی و دانش مندی و خیر خواہی کا تصور یہ ہے کہ آپ کسی کی اصلاح ایسے کرو کہ اس کی ہدایت کا باعث بن جائے نہ کہ ایسے عمل جس سے اس کی اخلاقی و دینی زندگی تباہ ہو جائے۔ اس کیلئے رسوائی اور بدنامی کا باعث نہ بنے۔ حدیث پاک میں آیا ہے:

"حضرت عبد اللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم (ﷺ) نے فرمایا: جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی برہنگی چھپائے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی برہنگی چھپائے گا۔ اور جو شخص اپنے مسلمان بھائی کا پردہ فاش کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کا پردہ فاش کرے گا حتیٰ کہ اسے اس کے گھر کے اندر رسوا کر دے گا"۔[26]

جدت طرازی نے جہاں آسائشوں کی راہیں ہموار کی ہیں وہیں جدید ٹیکنالوجی کے آنے کے بعد سائبر کرائم کی راہ بھی کھلی ہے۔ البتہ اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ ہم سیرتِ طیبہ (ﷺ) سے جو اصول وضع ہوئے ہیں ان پر عملدرآمد کر کے اپنی زندگیوں کو سنواریں اور معاشرے کو پُرامن بنائیں۔

☆☆☆

[22] (صحیح بخاری، رقم الحدیث:6064)

[23] Ostendorf, S., et, al. (2020). Neglecting Long-Term risks: Self-Disclosure on social media and its relation to individual Decision-Making tendencies and problematic Social-Networks-USE. Frontiers in Psychology, 11. https://doi.org/10.3389/fpsyg.2020.543388

[24] (صحیح بخاری، رقم الحدیث:6578)

[25] (سنن ابوداؤد، رقم الحدیث:4084)

[26] (سنن ابن ماجہ کتاب: حدود کے احکام و مسائل، باب: مسلمان کے عیب پر پردہ ڈالنا)

اِسلامی معیشت و تجارت سیرت النبی (ﷺ) کی روشنی میں

مفتی سید صابر حسین
چیئرمین آنوارِ صفّہ ٹرسٹ و ماہر اسلامی معیشت و تعلیم

سیرت النبی (ﷺ) کے ہمہ جہت پہلوؤں میں ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ اس میں ہر شعبۂ زندگی کے حوالے سے نظریاتی سطح سے لے کر عملی سطح تک کی رہنمائی فراہم کی گئی ہے -اِن تمہیدی کلمات کے بعد جب انسان کی زندگی کے اہم ترین شعبہ معیشت کا سیرت النبی (ﷺ) کے تناظر میں تجزیہ کیا جاتا ہے، تو یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ آپ (ﷺ) نے اِس اہم شعبے سے متعلق ایسے اَحکامات عطا فرمائے ہیں، جن پر عمل پیرا ہو کر دنیا میں منصفانہ اور اَخلاقی بنیادوں پر مستحکم نظامِ معیشت کا قیام عمل میں لایا جاسکتا ہے- عرب چونکہ تجارت کے پیشے سے وابستہ تھے، لہٰذا رسول اللہ (ﷺ) نے بھی اِس شعبے کو ابتدائی طور پر بطورِ ذریعۂ آمدن اختیار فرمایا اور اعلانِ نبوت سے پہلے متعدد دفعہ تجارت کی غرض سے ملکِ شام و یمن کا سفر فرمایا- اِن تجارتی اَسفار میں ایک معروف سفر وہ بھی ہے، جس میں آپ (ﷺ) نے اُمّ المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ (رضی اللہ عنہا) کا مال لے کر شام کی طرف کوچ فرمایا اور وہاں آپ نے منافع بخش کاروبار کیا- آپ (رضی اللہ عنہا) کے غلام میسرہ نے آپ (ﷺ) کے حسنِ تجارت کا ذکر جب اُن کے سامنے کیا، تو وہ اِس قدر متاثر ہوئیں کہ اُنہوں نے آپ (ﷺ) کو نکاح کا پیغام بھیج دیا- یہاں قابلِ غور بات یہ ہے کہ اس تجارتی سفر کے دوران رسول اللہ (ﷺ) کی وہ کون سی خاص بات تھی، جس سے میسرہ متاثر ہوئے- لہٰذا مؤرخین لکھتے ہیں کہ آپ (ﷺ) نے اس سفر میں تجارت میں دو اُصول اختیار کئے ہوئے تھے، ایک نرمی اور دوسرا کم شرحِ منافع- لہٰذا اگر کوئی شئے کم منافع میں بھی فروخت ہو رہی ہوتی، تو آپ (ﷺ) اُسے فروخت کر دیتے-ایک مرتبہ دورانِ تجارت آپ (ﷺ) نے خشک اور تر گندم کو الگ الگ کر کے مختلف قیمتوں میں فروخت کیا، تو آپ (ﷺ) کے اِس رویے کو دیکھ کر تاجر حیران رہ گئے، کیونکہ اُس زمانے میں تجارت میں اِس طرح کی ایمانداری کا تصور ہی موجود نہیں تھا- تاجروں کو اِس جانب مائل کرنے کے لئے آپ (ﷺ) نے فرمایا:

”سچائی اور ایمانداری کے ساتھ معاملہ کرنے والا تاجر نبیوں، صدّیقوں اور شہداء کے ساتھ ہو گا“-[1]

نرمی، کم شرحِ منافع پر فروخت کرنا اور اَشیاءِ فروخت کے عیوب کو گاہکوں پر ظاہر کرنا معیشت و تجارت کی ترقی کے لئے وہ کسوٹیاں ہیں، جن کی آپ (ﷺ) نے باقاعدہ ترغیب دی اور صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نے اِنہیں اختیار کر کے اپنی تجارت کو وسعت دی- چنانچہ حضرت جابر بن عبد اللہ (رضی اللہ عنہما) روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا کہ:

”اللہ تعالیٰ اُس شخص پر رحم فرمائے، جو خرید و فروخت اور قرض کا تقاضا کرتے وقت نرمی کا برتاؤ کرے“-[2]

حضرت سائب (رضی اللہ عنہ) نے قبولِ اسلام کے بعد ایک موقع پر رسول اللہ (ﷺ) کی تجارتی زندگی پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا:

”میرے ماں باپ آپ (ﷺ) پر قربان جائیں، آپ نے درست فرمایا- آپ میرے شریک تجارت تھے اور آپ نہ تو جھگڑا کرتے تھے اور نہ بحث کرتے تھے“-[3]

[1](سنن ترمذی، کتاب البیوع، باب ماجاء فی التجار تسمیۃ النبی ایاھم)

[2](صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب السہولۃ والسماحۃ فی الشراء والبیع)

[3](سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی کراھیۃ المراۃ)

معروف تاجر صحابی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف (رضی اللہ عنہ) سے اُن کی تجارت و معیشت میں کامیابی کی وجہ جب دریافت کی گئی، تو آپ نے نرمی اور کم شرحِ منافع پر اَشیاء کو فروخت کرنے کو اِس کامیابی کی بنیادی وجہ قرار دیا-

روزگارِ معیشت کے حصول میں نرمی اور کم شرحِ منافع دو ایسے رویے ہیں جو جدید معیشت و تجارت میں عنقاء کی مانند ناپید ہیں- اس کی وجہ یہی ہے کہ جدید اُسلوبِ تجارت میں منافع کے حصول کو تجارت میں سب سے اہم عنصر کے طور پر لیا گیا ہے، یہاں منافع کا حصول ہی سب کچھ ہے- یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جب منافع ہی سب کچھ ہو، تو لازمی طور پر وہاں سختی کا عنصر غالب آجاتا ہے اور نرمی رفوچکر ہو جاتی ہے- جدید معاشی نظریات کے حامیین میں اکثر کی سوچ یہی ہے کہ تجارت و معیشت کا اَخلاقی اقدار سے کوئی تعلق نہیں- اِس نظریئے کے حامیین کہتے ہیں:

"Ethics and Business don't mix. Business is a technical, not an ethical matter".[4]

"کاروبار اور اَخلاقیات ایک نہیں ہوتے، کیونکہ کاروبار ایک تیکنکی معاملہ ہے، نہ کہ اَخلاقی"-

اِسی طرح ایک اور قول ہے:

"There are no ethical companies, because they all break the ethical rules from time to time"[5].

"اَخلاقی بنیادوں پر قائم کوئی کمپنی نہیں ہے کیونکہ وہ وقتاً فوقتاً اَخلاقی قوانین کو توڑتے رہتے ہیں"-

آج کی تجارت بنیادی اَخلاقیات سے عاری ہے، یہی وجہ ہے کہ تاجر ہر وہ ہتھکنڈہ اِستعمال کرتا ہے، جس سے اُس کے کاروبار کو فروغ ملے، چاہے اُس کے اثرات معاشرے پر کتنے ہی منفی کیوں نہ پڑ رہے ہوں- اِن کے ہاں معیشت و تجارت کی ترقی میں اَخلاقی اَقدار سے زیادہ صارف (consumer behavior) کا رویہ اہمیت رکھتا ہے، چنانچہ وہ یہ دیکھتے ہیں کہ اُن کا صارف اُن سے کیا چاہ رہا ہے- اُن کے اِشتہارات صارف کی چاہت کے مطابق ہی تیار کئے جاتے ہیں، اگرچہ اُن اِشتہارات سے معاشرے میں بے حیائی و فحاشی فروغ پا رہی ہو یا لوگوں میں کسی شئے سے متعلق بلاضرورت اِشتہاء پیدا ہو رہا ہو، اُنہیں اِس سے کوئی سروکار نہیں- یہی وجہ ہے کہ ریڈیو، ٹیلی ویژن اور اَخبارات سے لے کر سڑکوں پر آویزاں دیوہیکل سائن بورڈز تک بے ہودہ اِشتہارات سے بھرے پڑے ہیں- جبکہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے صارف کے مزاج سے زیادہ شریعت کے مزاج کی پاسداری کا حکم دیا ہے-

ناجائز منافع خوری جدید معیشت و تجارت میں ایک کاروباری تیکنیک کی حیثیت رکھتی ہے- لہٰذا چند خود ساختہ اُصولوں کی پاسداری کے ساتھ کوئی جتنا چاہے منافع کما سکتا ہے- چاہے اُس کے لئے وہ ذخیرہ اندوزی کا سہارا لے یا لوگوں کی مجبوری کا فائدہ اُٹھا کر اِستحصالی کیفیت پیدا کرے یا اِجارہ داری قائم کر کے اپنے ارادے کی تکمیل کرے- جبکہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی سیرت میں ناجائز منافع خوری کے سدِّباب کے لئے امکانی حد تک ہدایات ملتی ہیں- یہی وجہ ہے کہ سیرتِ نبوی پر عمل پیرا ہوتے ہوئے مسلم تاجروں نے جب اِن دو مثبت رویوں کو اختیار کیا، تو وہ نہ صرف دنیا کے بہترین تاجر بلکہ اِسلام کے مبلغ بن گئے، جہاں گئے تجارت و معیشت کے ساتھ ساتھ افرادِ معاشرہ کو اپنے رویے سے متاثر کر کے کفر کی ضلالت و گمراہی سے دین کی روشنی کی طرف بھی گامزن کرتے رہے- چنانچہ چین، انڈونیشیا، ملائیشیا اور تھائی لینڈ سمیت کئی ممالک میں اِسلام ان ہی تاجروں کے حسنِ رویئے کی وجہ سے پھیلا-

سیرتِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اِسلامی معیشت و تجارت میں اَخلاقیات کا پہلو سب سے زیادہ نمایاں ہے- یہی وجہ ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے معیشت و تجارت میں اَخلاقی پسماندگی اور اِستحصالی رجحان پیدا کرنے والے سارے عوامل کو اُن کی جڑوں کے ساتھ اُکھاڑ پھینکا- ایسے ترغیبی اور قانونی اَحکامات دیئے، جن پر عمل پیرا ہونے کی صورت میں منصفانہ تقسیمِ دولت کو یقینی بنانا آسان ہو جاتا ہے- سود، جس کی ہر شریعت میں سختی کے ساتھ ممانعت آئی ہے[6]، کے سدِّباب کے لئے ہنگامی بنیادوں پر عملی اِقدامات اُٹھائے اور اس کے متبادل کے طور پر خرید و فروخت کے متعدد طریقے متعارف کرائے- خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر پالیسی بیان دیتے ہوئے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے سود کی

---

[4]Donaldson, J (1999), "Codes, Stakeholders and Business Philosophy", www.societyandbusiness.gov.uk: Developing Corporate Social Responsibility in the UK

[5]DTI (Department of Trade & Industry), UK (25.05.02), "Corporate Social Responsibility",

[6](النساء:161)

قطعی حرمت کو بیان کر دیا اور حضرت عباس بن عبد المطلبؓ کی طرف سے لوگوں پر عائد سود کے خاتمے کا اعلان کر دیا۔

سود سے متعلق رسول اللہ (ﷺ) کے سخت ترین وعیدوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے عصرِ حاضر کے معاملات پر غور کیا جائے، تو آپ (ﷺ) کی سختی کی وجہ واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ آج دنیا کی معاشی تباہی و بدحالی میں سود کا جس قدر حصہ ہے، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ خاص طور پر 2008ء کے بین الاقوامی مالیاتی بحران کے بعد تو دنیا کے ماہرینِ معیشت نے بغیر کسی لیت و لعل کے تسلیم کیا کہ اِس تباہی و بربادی کی بنیادی وجہ سودی نظام ہے۔ یہاں تک کہ عیسائیوں کے اُس وقت کے سب سے بڑے مذہبی پیشوا نے بھی برملا اعلان کیا کہ دنیا آئندہ اس طرح کے مالیاتی بحران سے محفوظ رہنا چاہتی ہے، تو اُسے معیشت و بینکاری میں وہ نظام اختیار کرنا ہوگا، جسے اِسلام نے متعارف کرایا ہے۔[7]

معیشت کے معروف محقق محمد منیر احمد لکھتے ہیں:

"2008ء کے گلوبل فنانشل کرائسز (GFC) کے بعد اہلِ مغرب کے پاس سرمایہ داری کے دفاع میں کوئی دلیل یا جواز موجود نہیں کیونکہ یہ بحران اِنتہائی ترقی یافتہ مغربی ممالک میں "at the heart of Wall Street" وقوع پذیر ہوا ہے۔ معاشی نظاموں کی ایک اور خصوصیت یہ بھی ہے کہ ایک نظام کی ناکامی کی صورت میں متبادل نظام کی تلاش شروع ہو جاتی ہے۔ اس وقت ہر طرف سے نظامِ سرمایہ داری میں اصلاحات کی باتیں ہو رہی ہیں۔ ورلڈ اکنامک فورم نے مختلف مذاہب کے پیروکاروں سے تجاویز طلب کی ہیں۔ تاکہ سرمایہ داری کے سفینے کو مکمل طور پر ڈوبنے سے بچایا جا سکے۔ پچھلے 500 برس کی معاشی تاریخ میں یہ بے بسی اور لاچاری نظامِ سرمایہ داری پر کبھی نہیں آئی۔ اِن نازک حالات میں "ساتویں صدی کی مدینہ اکنامکس" اہلِ مغرب کے لئے تازہ ہوا کا جھونکا ثابت ہو سکتی ہے"۔[8]

فاضل مصنف یہاں مدینہ اکنامکس سے مراد رسول اللہ (ﷺ) کی سیرتِ طیبہ کی روشنی میں معاشی اصلاحات کی بات کر رہے ہیں، کیونکہ ساتویں صدی میں جس معاشی نظام کا آغاز کیا گیا، وہ سیرتِ نبوی (ﷺ) ہی کا ایک روشن باب ہے۔

سودی نظام اپنے اندر کس قدر تباہ کن اثرات رکھتا ہے، اِس حقیقت پر گفتگو کرتے ہوئے اِسلامی معیشت کے ماہر شیخ محمود احمد صاحب اپنی شہرہ آفاق تصنیف "Man and Money" میں لکھتے ہیں:

"تین چیزیں سود کے ساتھ ساتھ بڑھنا شروع ہو جاتی ہیں۔ جتنا سود بڑھے گا اُسی قدر بے روزگاری بڑھے گی، اَفراطِ زر (inflation) میں اِضافہ ہوگا اور اس کے نتیجے میں شرح سود (interest rate) بھی بڑھے گی۔ شرح سود کے بڑھنے سے بے روزگاری مزید بڑھے گی اور اَفراطِ زر میں اور زیادہ اضافہ ہوگا۔ الغرض یہ ایک دائرۂ خبیثہ ہے، جس کے نتیجے میں ملک کی معیشت بالکل تباہ ہو جاتی ہے اور یہ تباہی ایک وقت تک پوشیدہ رہتی ہے لیکن پھر یک دم اس کا ظہور بڑے بڑے بینکوں کے دیوالیہ ہونے کی صورت میں ہوتا ہے۔ ابھی جو کوریا کا حشر ہو رہا ہے، وہ آپ کے سامنے ہے۔ اس سے پہلے روس کا جو حشر ہو چکا ہے، وہ پوری دنیا کے لئے باعثِ عبرت ہے۔ سودی معیشت کا معاملہ تو گویا شیش محل کی طرح ہے، اِس میں تو ایک پتھر آکر لگے گا اور اِس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے، اِس کے برعکس معاملہ صدقات کا ہے، جو بڑھتا ہی رہتا ہے"۔[9]

ماہرینِ معاشیات ہر 50 یا 60 برس کے بعد آنے والے اِس بحران کی اصل وجہ سود ہی کو قرار دیتے ہیں کیونکہ سود سے بظاہر معیشت ترقی کرتی ہوئی نظر آتی ہے، لیکن حقیقت میں وہ ترقی حقیقی اور پائیدار نہیں بلکہ عارضی ہوتی ہے اور کچھ ہی عرصے میں تنزّلی (declining) کا شکار ہو جاتی ہے۔ سود لینے والا اِسی غلط فہمی میں مبتلا رہتا ہے کہ وہ سود کے ذریعے اپنے مال میں اضافہ کر رہا ہے لیکن حقیقت میں وہ اپنی بربادی کا سامان پیدا کر رہا ہوتا ہے اور اَچانک ہی اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آکر اپنا سب کچھ کھو دیتا ہے۔

---

[7]Kayed, R. N., & Hassan, M. K. (2011). The global financial crisis and Islamic finance. Thunderbird International Business Review, 53(5), 551-564.

[8](مدینہ اکنامکس، ص:17، مطبوعہ ایوانِ علم و فن لاہور)

[9](اربعین حرمتِ سود، ص:20، مطبوعہ شعبہ نشر و اشاعت دار الاقتصاد الاسلامی، لاہور)

لہٰذا سود میں تباہی ہی تباہی ہے، ترقی نہیں- قرآنِ مجید میں اِس اہم اور ناقابلِ تردید حقیقت کو اِن الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

"اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے، اور اللہ کسی ناشکرے، بڑے گناہ گار کو پسند نہیں کرتا"-[10]

اِسی طرح ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

"اور جو مال تم لوگوں کو دو تاکہ وہ لوگوں کے مال میں بڑھتا رہے، حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا اور جو تم اللہ کی رضا کے لئے زکوٰۃ دیتے ہو، تو وہی لوگ (اپنے مال) کو بڑھانے والے ہیں"-[11]

مذکورہ دونوں آیاتِ کریمہ کا مُدّعا یہی ہے کہ سود مال میں اضافہ نہیں بلکہ اِس کی تباہی کا باعث بنتا ہے اور وطنِ عزیز کی معاشی تباہی کے پیچھے سود ہی کا عنصر کارفرما ہے- جس سے چھٹکارے کے بغیر معاشی ترقی کا خواب "احمقوں کی جنت" میں رہنے کے مترادف ہے-

رسول اللہ (ﷺ) نے اپنی سیرتِ طیبہ کے ذریعہ اِسلامی معیشت و تجارت کے خدّوخال کا اِس باریک بینی کے ساتھ بیان فرمایا کہ آج کی دنیا حیران و ششدر رہ جاتی ہے- مثال کے طور پر آپ (ﷺ) نے ایک موقع پر تجارت میں قسم کھانے سے منع فرماکر اِس کی علّت بھی بیان فرمادی کہ اِس سے وقتی طور پر تجارت کو فروغ تو مل جاتا ہے لیکن فی نفسہٖ وہ تجارت برکت سے عاری ہو جاتی ہے- بظاہر یہ ہدایت عمومی نوعیت کی ہے لیکن جب اِس کے اثرات پر غور و فکر کیا جائے، تو تجارتی اُصول و ضوابط کے نئے نئے دریچے کھلنا شروع ہو جاتے ہیں- قسم کھانے سے ممانعت کی ایک وجہ یہ سامنے آئی کہ اِس سے خریدار کا بھاؤ تاؤ کا حق سلب ہوتا ہے کیونکہ جب فروخت کنندہ قسم کھاکر اپنے سودے کی قیمت اور اُس کے اَوصاف بیان کر دیتا ہے، تو قسم کے بعد عام طور پر خریدار مزید بات چیت نہیں کرتا اور لینے پر آمادہ ہو جاتا ہے- گویا کہ قسم اُس وقت اُس کے لئے اَخلاقی دباؤ کا باعث بن کر بھاؤ تاؤ کرنے سے اُسے روک دیتی ہے، جو تجارتی اَخلاقیات کے خلاف ہے- چنانچہ قسم کھانے سے روک دیا گیا-

آج پوری دنیا میں بروکری زوروں پر ہے- خریدار اور فروخت کنندہ بلاواسطہ معاملہ کرنے کی بجائے مِڈل مین (middle man) یا ایجنٹ (agent) کا سہارا لیتے ہیں- مِڈل مین کا نظریہ پوری دنیا میں رائج ہے اور یہ ایک انڈسٹری کی شکل اختیار کر چکا ہے- اِس کے کچھ فوائد بھی ہوسکتے ہیں، لیکن بنظرِ غائر جب اِس کے پوشیدہ اَثرات پر غور کیا جائے، تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں کہ اِس کی وجہ سے اِستحصالی رجحان فروغ پارہا ہے- فروخت کنندہ کو اپنی چیز کی مناسب قیمت نہیں مل رہی ہے، تو دوسری جانب خریدار مِڈل مین کے نرغے میں آکر شئے کی حقیقی قیمت سے زیادہ ادا کر رہا ہے- اِس کی وجہ سے ہر شئے کی قیمت آسمان کو چھُو رہی ہے- خاص طور پر پراپرٹی کی قیمت میں ہوشربا اضافے کی وجہ یہی مِڈل مین ہے- جبکہ حضور نبی رحمت (ﷺ) نے اپنے اِرشادات میں اِس کی حوصلہ شکنی فرمائی ہے- چنانچہ آپ (ﷺ) نے کسی شہری کو دیہاتی کا مال فروخت کرنے سے منع کر دیا[12] تاکہ اصل خریدار اور فروخت کنندہ آمنے سامنے آکر شئے کا بھاؤ تاؤ کریں اور طلب و رَسد کے فطری قانون کو سامنے رکھتے ہوئے، شئے کی قیمت متعین کریں- اِسی طرح زمانۂ جاہلیت میں قیمتوں کو متاثر کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی رائج تھا کہ جب کاشتکار اپنی زمین کی پیداوار فروخت کرنے کے لئے شہر کا رُخ کرتا تھا، تو بعض شہری تاجر شہر سے باہر ہی اُنہیں روک لیا کرتے تھے اور اِنتہائی چالاکی کے ساتھ اُس سے کہتے کہ شہر میں جانے کی کیا ضرورت ہے، یہ مال ہم کو فروخت کر دو، ہم اُنہیں آگے لوگوں سے بیچ دیں گے- اِس طرح سادہ دیہاتی اپنا مال شہریوں کو فروخت کر دیتے لیکن اُنہیں نہیں معلوم ہوتا کہ شہر میں اُن کے مال کی کیا مانگ ہے اور قیمت کیا ہے؟ اس طرح تاجر بعد میں منہ مانگی قیمت میں سستی قیمت میں خریدے گئے مال کو فروخت کرکے عام

[10](البقرہ:276)

[11](الروم:39)

[12](صحیح مسلم، کتاب البیوع، باب تحریم البیع الحاضر لباد)

لوگوں کا استحصال کرتے، جیسا کہ آج بھی یہی ہو رہا ہے- دراصل اِسلام تجارتی معاملے میں کسی تیسرے شخص کی مداخلت کو پسند نہیں کرتا- اس کی وجہ یہ ہے کہ اِس عمل سے چیزوں کی حقیقی قیمت کا تعین مشکل ہوجاتا ہے اور واسطہ بننے والا شخص (middle man) اپنے فائدے کے لئے کبھی فروخت کنندہ اور کبھی خریدار کو نقصان پہنچاتا ہے، تو بازار کی آزادی کو متاثر کرنے والے ان دونوں ہی عوامل کی رسول اللہ (ﷺ) نے ممانعت اِرشاد فرما دی- گویا کہ اَخلاقی اُصولوں پر مبنی آزادانہ تجارت (Free Economy) کا تصور رسول اللہ (ﷺ) ہی کی سیرتِ مبارکہ میں ملتا ہے-

بازار وہ جگہ ہے، جہاں تاجر حضرات اپنے اَموالِ تجارت صارفین کو فروخت کرنے کی غرض سے دکانوں، ریڑھیوں اور اسٹالوں میں رکھتے ہیں اور آزادانہ ماحول میں اپنی تجارت کو فروغ دینے کی کوشش کرتے ہیں- آپ (ﷺ) معیشت کی ترقی و ترویج کے لئے صالح اور اَخلاقی بنیادوں پر قائم بازار کی اہمیت سے خوب واقف تھے-اَحادیثِ مبارکہ میں ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں عُکاظ (یہ بازار ماہِ ذوالقعدہ کے شروع سے بین ذوالقعدہ کے درمیان لگتا تھا)، ذوالجنہ (یہ بیس ذوالقعدہ سے یکم ذی الحج تک لگتا تھا) اور ذوالمجاز (یکم ذی الحج سے لے کر آٹھ ذی الحج تک) کے نام سے تین بازار لگتے تھے- ان میں لوگ اپنے اموال کی خرید و فروخت کرتے تھے- زمانۂ جاہلیت میں اِن بازاروں کو میلے کی حیثیت بھی حاصل تھی، جس کی وجہ سے وہاں چند منکرات اور ناپسندیدہ اُمور بھی دیکھنے کو ملتے تھے- چنانچہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) اِن بازاروں میں جانے سے اِجتناب کرتے لیکن جب قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ کا حکم آیا کہ تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم اپنے ربّ کے فضل کو تلاش کرو یعنی حج کے زمانے میں بھی تمہارے لئے تجارت کرنا جائز ہے،[13] تو پھر مسلمانوں نے منکرات سے بچتے ہوئے اِن بازاروں میں کاروبار کا سلسلہ شروع کیا-

حضرت اَنس (رضی اللہ عنہ) کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) بھی کسبِ معاش اور اپنی ضروریات کی تکمیل کے لئے بازار گئے اور اُمت کو بازاروں میں جانے کا عملی نمونہ پیش کیا- یہ معاملہ تو مکی زندگی میں تھا، جہاں تک مدینۂ منورہ کا تعلق ہے، تو آپ (ﷺ) جس وقت وہاں تشریف لے گئے، اُس وقت وہاں یہودیوں کے چار بازار موجود تھے- ان میں سے دو "سوقِ زبالہ" اور "سوقِ بنی قینقاع" ہر قسم کے کاروبار کے لئے تھے اور کاروبار پر اُن ہی کا تسلط قائم تھا- رسول اللہ (ﷺ) نے مسلمانوں کو اُن بازاروں میں کاروبار کرنے کی اِجازت دینے کی بجائے اُن کے لئے الگ بازار قائم فرمایا، جسے جدید ماہرینِ معیشت نے "خیمہ مارکیٹ" کا نام دیا ہے-

رسول اللہ (ﷺ) کے زمانۂ اَقدس میں معیشت و تجارت کی تمام تر صورتیں رائج تھیں، لیکن اُن میں کچھ صورتیں جائز اور کچھ ناجائز تھیں- زمانۂ جاہلیت میں چونکہ جائز و ناجائز کا کوئی باقاعدہ تصور موجود نہیں تھا بلکہ تاجر حضرات جزوی اَخلاقی حدود و قیود کے ساتھ ان کاروباری صورتوں کو اختیار کئے ہوئے تھے- رسول اللہ (ﷺ) نے اِن معاشی و تجارتی معاملات پر خصوصی توجہ دی اور اُن کی تنقیح (purification) کرتے ہوئے، جائز صورتوں کو بعینہٖ قائم رکھا، جن میں جزوی قباحتیں تھیں، اُن کی اصلاح فرما دی جیسے بیع سلم و استصناع وغیرہ اور جو بالکل ہی قابلِ اصلاح نہیں تھیں، اُنہیں مطلقًا ناجائز قرار دے جیسے سود اور حرام اَشیاء کی خرید و فروخت وغیرہ-

الغرض! سیرتِ نبوی (ﷺ) سے کامیاب معیشت و تجارت کے تمام اُصول و ضوابط میسر آتے ہیں، آج کی دنیا معاشی استحصال، غربت و افلاس، بے روزگاری، اَفراطِ زر اور تمام معاشی مسائل سے نکلنے کے لئے حضور نبی کریم (ﷺ) کی سیرت سے رہنمائی لے سکتی ہے- اِس کے بغیر معاشی عدل و انصاف، منصفانہ تقسیمِ دولت اور غربت کے خاتمے کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا-

☆☆☆

---

[13] (البقرہ:198)

ماحول دوست زندگی

سیرتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں

انجینئر رفاقت ایچ ملک

سیرت طیبہ (ﷺ) ایک آفاقی پیغام ہے جس میں ہر ایک شئے کے لیے خیر ہے۔ آج انسانی ماحول کو درپیش مسائل سے نبرد آزما ہونے کے لیے بھی سیرت طیبہ (ﷺ) میں راہنمائی موجود ہے۔ ماحول سے مراد انسان کے گردوپیش ہے جس میں انسان، جانور اور نباتات زندہ رہتے ہیں۔ ماحول تمام کیمیائی، طبی و حیاتیاتی عوامل کا مجموعہ ہے۔ جو جاندار اشیاء پہ اثر انداز ہوتا ہے اور اس کی ہیت اور زندہ رہنے کے امکانات پہ بھی اثر ڈالتا ہے۔ اس کرۂ ارض کا ماحول جاندار چیزوں کے زندہ رہنے کیلئے موزوں ترین ہے۔ فضاء میں موجود آکسیجن کی مقدار اور کرۂ ارض کا درجہ حرارت ہر شئے ایک خاص مقدار میں موجود ہے۔ جس میں کوئی کجی یا کمی نہیں۔ قرآن حکیم میں خالق کائنات نے انسان کو یہ دعوت دی ہے:

"تم پھر نگاہِ (تحقیق) کو بار بار (مختلف زاویوں اور سائنسی طریقوں سے) پھیر کر دیکھو، (ہر بار) نظر تمہاری طرف تھک کر پلٹ آئے گی اور وہ (کوئی بھی نقص تلاش کرنے میں) ناکام ہوگی"۔

بدقسمتی سے انسانی عوامل کے باعث انسانی ماحول تیزی سے ابتری کا شکار ہو رہا ہے۔ اس وقت انسانی جان کی بقاء کو جن چیزوں سے خطرہ لاحق ہے اُن میں سے ایک بڑا خطرہ ماحولیاتی آلودگی ہے۔ ماحولیاتی آلودگی سے مراد قدرتی ماحول میں ایسے اجزاء شامل کرنا ہے کہ جس سے ماحول پہ منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ان اجزاء میں صنعتی و گھریلو کیمیائی آلودگی ہے۔ ماحولیاتی آلودگی کی اقسام میں زمینی آلودگی، ہوائی آلودگی اور اور آبی آلودگی شامل ہیں۔ صنعتوں اور ٹرانسپورٹ میں استعمال ہونے والے نامیاتی ایندھن کے باعث فضاء میں بڑی مقدار میں مضر صحت گیسوں کا اخراج ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے بڑے شہروں کی فضاء صحت کے لیے نقصان دہ ہو جاتی ہے۔ پاکستان میں لاہور، کراچی، راولپنڈی اور پشاور کا ائیر کوالٹی انڈیکس 100 کے قریب پہنچ چکا ہے جو کہ ایک خطرناک پوائنٹ ہے۔ اس کے علاوہ پلاسٹک کا استعمال زمینی و آبی آلودگی کا باعث بن رہا ہے۔

دنیا میں سالانہ 400 ملین ٹن پلاسٹک بنائی جارہی ہے۔ جس کا آدھا حصہ محض ایک دفعہ استعمال کے لیے ہے اور 10 فیصد سے بھی کم کو دوبارہ استعمال کے قابل بنایا جاتا ہے۔ اس میں سے 23 ملین کے قریب دریاؤں اور سمندروں میں چلا جاتا ہے جو پانی کو آلودہ کر رہا ہے اور سمندری حیات کے لیے بڑا خطرہ ہے۔ یہ بنی نوع انسان کو درپیش مسائل میں سے ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔

ماحولیاتی آلودگی کا سب سے بھیانک اثر ماحولیاتی تبدیلی ہے۔ جس کے باعث کرۂ ارض کا درجہ حرارت بڑھتا جارہا ہے جو کہ انسانی جانوں و دیگر حیاتیاتی نظاموں کے لیے ایک بڑا خطرہ ہے۔ دنیا میں صنعتی انقلاب کے بعد کارخانوں اور ٹرانسپورٹ کی وجہ سے فضا میں گرین ہاوس گیسز کے اخراج میں مسلسل اضافہ ہی ہوتا چلا جارہا ہے۔ گرین ہاوس گیسز میں کاربن ڈائی آکسائیڈ، میتھین، نائٹرس آکسائیڈ اور دیگر گیسیں شامل ہیں جو کہ نامیاتی ایندھن کے جلانے سے پیدا ہوتی

ہیں- 1850ء تک فضا میں کاربن ڈائی آکسائیڈ کی مقدار 280ppm تھی جو کہ 2019ء میں بڑھ کر 410ppm ہو گئی ہے-IPCC کی رپورٹ کے مطابق زمینی سطح کے اوسط درجہ حرارت میں 1850ء سے لے کر اب تک 1.1 ڈگری سینٹی گریڈ اضافہ ریکارڈ کیا جا چکا ہے-1970ء کے بعد اوسط درجہ حرارت میں تیزی سے اضافہ ہوا ہے- موسمیاتی تبدیلی کی وجہ سے درجہ حرارت میں اضافہ، سمندر کی سطح میں اضافہ، بارشوں کے سلسلوں میں تبدیلی، قحط سالی اور سیلاب جیسی آفات کا انسانیت کو سامنا ہے- 2022ء کا سال انسانی تاریخ میں ماپا جانے والا پانچواں گرم ترین سال تھا-

سیرت طیبہ (ﷺ) میں ماحول کو صاف رکھنے، گندگی کی روک تھام، قدرتی وسائل کے استعمال میں احتیاط اور خدا تعالیٰ کی دی گئی تمام نعمتوں کی حفاظت پہ متعدد بار زور دیا گیا ہے-

حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

”ایک آدمی نے قطعاً کوئی نیکی نہیں کی سوائے ایک کانٹے دار ٹہنی کو راستے سے ہٹانے کے، خواہ اسے درخت سے کاٹ کر کسی نے ڈال دیا تھا یا کسی اور طرح پڑی تھی تو اس کی تکلیف دہ چیز کو (راستے سے ہٹانا) اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا اور اس کی وجہ سے جنت میں داخل فرما دیا“-[1]

شجر کاری کی ترغیب:

ماحولیاتی آلودگی کی روک تھام میں شجر کاری اہم کردار ادا کرتی ہے- محسنِ انسانیت نے جس پُر زور انداز میں شجر کاری کی ترغیب دی اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی-

سیدنا حضرت انس (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

”اگر قیامت قائم ہونے لگے اور تم میں سے کسی کے ہاتھ میں کھجور کا پودا ہو تو اگر وہ قیامت برپا ہونے سے پہلے پہلے اسے لگا سکتا ہے تو لگا دے“-[2]

حضرت انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

”جب کوئی مسلمان شجر کاری یا کاشتکاری کرتا ہے پھر اس میں سے کوئی پرندہ، انسان یا حیوان کھاتا ہے تو وہ اس کے لیے صدقہ ہوتا ہے“-[3]

درخت لگانے کی فضیلت پر ایک روایت میں حضور نبی کریم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

”جو شخص کوئی درخت لگاتا ہے تو جتنا اس کے ساتھ پھل لگتا ہے، اتنا ہی اللہ تعالیٰ اس کے لیے اجر لکھتا ہے“-[4]

صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) بھی درخت لگانے کا اہتمام فرماتے تھے- حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ:

”میں ایک دن درخت لگا رہا تھا کہ رسول اللہ (ﷺ) کا میرے پاس سے گزر ہوا تو آپ (ﷺ) نے فرمایا: اے ابو ہریرہ! کیا کر رہے ہو؟ میں نے عرض کیا (یا رسول اللہ (ﷺ) درخت لگا رہا ہوں“-[5]

درختوں کی حفاظت:

فضاء کو صاف رکھنے میں درختوں اور جنگلات کا بہت بڑا کردار ہے- جنگلات کاربن ڈائی آکسائیڈ کو جذب کرتے ہیں جو گرین ہاؤس گیس ہے جس کے اضافے کی وجہ سے زمین کے درجہ حرارت میں اضافہ ہو رہا ہے- جنگلات بے شمار جانوروں اور پرندوں کی آماجگاہ ہیں اور کرۂ ارض پہ حیاتیاتی تنوع کو قائم رکھنے میں بڑا کردار ادا کرتے ہیں- اس ضمن میں رسول اللہ (ﷺ) کی حیاتِ طیبہ سے انسانیت کے لیے ایک اہم سبق ہے-

[1](سنن ابی داود، کتاب الادب)

[2](مسند احمد بن حنبل، رقم الحدیث:12512)

[3](صحیح بخاری، رقم الحدیث:2320)

[4](کنز العمال، رقم الحدیث:9057)

[5](سُنن ابن ماجہ، کتاب الادب)

آپ (ﷺ) نے بلاوجہ پیڑ کاٹنے والوں کے لیے وعید فرمائی ہے- چنانچہ حضرت عبد اللہ بن حُبْشِیّ (رضی اللہ عنہ) روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

"جو شخص کسی پیڑ کو (بلاضرورت) کاٹے گا، اللہ تعالیٰ اس کا سر جہنم میں ڈالے گا"-[6]

حضرت امام ابوداؤد سے اس حدیث کے معنی و مفہوم سے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ:

"یہ حدیث مختصر ہے، (پوری حدیث اس طرح ہے) کہ کوئی بیری کا درخت چٹیل میدان میں ہو جس کے نیچے آکر مسافر اور جانور سایہ حاصل کرتے ہوں اور کوئی شخص آکر بلا سبب بلاضرورت ناحق کاٹ دے (تو مسافروں اور چوپایوں کو تکلیف پہنچانے کے باعث وہ مستحق عذاب ہے) اللہ ایسے شخص کو سر کے بل جہنم میں جھونک دے گا"-[7]

حشرات و جانوروں کی حفاظت:

کرۂ ارض پہ موجود ہر جاندار چیز کا کوئی نہ کوئی کردار ہے- اگر محض حشرات کی ہی بات کی جائے تو حیاتیاتی نظام میں ان کی اہمیت مسلم ہے- حشرات زمین مختلف الانواع فاضل مادوں کو تحلیل کرنے میں کردار ادا کرتے ہیں- حشرات زمین پر پائے جانے والی مخلوقات کا ایک بڑا حصہ ہیں اور یہ انسانوں سمیت دوسری مخلوقات کے لیے نفع بخش ہیں- یہ نہ صرف پرندوں اور چھوٹے ممالیہ جانوروں کے لیے خوراک کا کام دیتے ہیں- بلکہ دنیا میں 75 فیصد فصلوں کی تخم کاری کا باعث بنتے ہیں، مٹی کو زرخیز بناتے ہیں اور اس میں موجود ضرر رساں کیڑوں کی تعداد کنٹرول میں رکھتے ہیں- سائنسی تحقیق کے مطابق 40 فیصد حشرات کی تعداد میں تیزی سے کمی واقع ہو رہی ہے- جو کیڑے مار ادویات کے استعمال، بڑھتی آبادی، زراعت کے جدید طریقوں اور موسمیاتی تبدیلی کی وجہ سے ناپید ہو رہے ہیں- حیاتیاتی نظام کے تحفظ کا اندازہ مندرجہ ذیل حدیث سے لگایا جا سکتا ہے-

سیدنا عبد الرحمٰن بن عثمان (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے:

"ایک طبیب نے حضور نبی اکرم (ﷺ) سے دوا میں مینڈک کے استعمال کے متعلق سوال کیا تو آپ (ﷺ) نے مینڈک قتل کرنے سے منع فرمایا"-[8]

صفائی و پاکیزگی کا اہتمام:

آپ (ﷺ) کا ارشاد ہے:

"الطهور شطر الإيمان"[9]

"پاکیزگی ایمان کا حصہ ہے"-

طہارت نہ صرف اجر و ثواب کے حصول کا باعث ہے بلکہ اس کے متعدد دنیوی فوائد بھی ہیں- طہارت سے انسانی صحت اور نفسیات پر مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں- اس کے برعکس گندگی اور آلودگی معاشرے کے اجتماعی ماحول پر بری طرح اثرانداز ہوتی ہیں- جدید سائنس کے مطابق آلودہ ماحول میں رہنے والے وقتاً فوقتاً بیماریوں کا شکار رہتے ہیں مثلاً ڈائریا، ٹائیفائڈ، ٹی بی اور جلد کی بیماریاں خارش وغیرہ- طہارت میں جسم کی صفائی سے لے کر گلی، محلہ اور شہر تک کی صفائی ہے- اقوام متحدہ کے مطابق:

"Access to safe water, sanitation and hygiene is the most basic human need for health and well-being".

"صاف پانی، صحت و صفائی تک رسائی انسان کی صحت اور بہتری کے لیے سب سے بنیادی ضرورت ہے"-

لطافت و پاکیزگی کی اہمیت کے اظہار کیلیے آپ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

"بلاشبہ اللہ کی ذات پاک ہے اور پاکی کو پسند کرتا ہے- صاف ستھرا ہے اور صفائی کو پسند کرتا ہے"-[10]

قدرتی وسائل ضائع کرنے کی ممانعت:

اگر ماحولیات کو آج سب سے زیادہ نقصان پہنچ رہا ہے تو وہ وسائل فطرت کا بے جا اور غیر معتدل استعمال ہے- اسلام

---

[6] (سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: 5239)

[7] (سُنن اَبی داوٗد، باب فِی قَطْعِ السِدْرِ)

[8] (سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: 3871)

[9] (سنن الترمذی، ج: 5، ص: 420، دار الغرب الاسلامی)

[10] (سنن ترمذی، ج: 4، ص: 325، رقم الحدیث: 2808)

میں ماحولیاتی تحفظ پر بہت زور دیا گیا- کیونکہ انسانی بقاصحت مند ماحول کے بغیر ممکن نہیں ہے- سیرت طیبہ میں ماحولیاتی تحفظ کے حوالے سے کثیر احادیث موجود ہیں- جو ایک مومن پر یہ ذمہ داری عائد کرتی ہیں کہ وہ قدرتی وسائل کی حفاظت میں کوئی کسر باقی نہ رکھے- جن وسائل کا استعمال ہم زمین پر کرتے ہیں، حضور نبی اکرم (ﷺ) کی تعلیمات میں ان کا طریقہ استعمال اور انہیں برتنے کا انداز بڑے اعتدال و کفایت شعاری سے ملتا ہے- پانی ایک عظیم نعمت ہے- جس کی اہمیت کا اندازہ اس حدیث سے ہوتا ہے- عبد اللہ بن عمرو (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ:

”رسول اللہ (ﷺ) حضرت سعد (رضی اللہ عنہ) کے پاس سے گزرے، وہ وضو کر رہے تھے تو آپ (ﷺ) نے فرمایا: ”یہ کیسا اسراف ہے؟“، انہوں نے کہا: کیا وضو میں بھی اسراف ہوتا ہے؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا: ”ہاں چاہے تم بہتی نہر کے کنارے ہی کیوں نہ بیٹھے ہو“-[11]

حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ:

”رسول اللہ (ﷺ) نے ایک شخص کو وضو کرتے دیکھا تو ارشاد فرمایا اسراف نہ کرو، اسراف نہ کرو“-[12]

مندرجہ بالا احادیث کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قدرتی وسائل کے استعمال میں از حد ممکن احتیاط برتنی چاہیے جس کا اطلاق روز مرہ کی استعمال کی اشیاء سے لے کر بجلی کے استعمال تک ہوتا ہے- بجلی کی زیادہ تر پیداوار نامیاتی ایندھن سے ہوتی ہے- بجلی کے ضیاع کا مطلب ہے ہم زیادہ سے زیادہ نامیاتی ایندھن جلا کر فضا میں خارج کر رہے ہیں جو کہ گلوبل وارمنگ کا ذریعہ ہے- لہٰذا صنعتی، کاروباری و گھریلو سطح پہ بجلی کا کم سے کم استعمال کیا جانا چاہیے اور ٹرانسپورٹ کو بھی ضرورت کے تحت استعمال کیا جانا چاہیے- حضرت جابر (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ آپ (ﷺ) صبح کے وقت چراغ جلانے سے منع فرماتے تھے-

آب و ہوا کی طہارت:

اسی طرح آپ (ﷺ) نے اپنے پیروکاروں پر پاکی و طہارت کے ذریعہ آب و ہوا کی حفاظت لازم فرمائی ہے اور تمام منفی رویوں سے اجتناب کا حکم دیا ہے-

حضرت اسامہ بن زید (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم (ﷺ) نے فرمایا:

”جب کسی جگہ کے متعلق تم سنو (کہ وہاں وبا پھیلی ہوئی ہے) تو وہاں نہ جاؤ- لیکن اگر کسی ایسی جگہ یہ وبا پھیل جائے جہاں تم پہلے سے موجود ہو تو وہاں سے مت نکلو“-[13]

اسلام میں حدود حرم میں کسی نباتاتی پودے اور کسی پرندے اور جانور کے شکار کرنے کی ممانعت بھی ماحولیاتی تحفظ کے لئے ایک اعلیٰ نمونہ ہے، وہ علاقے کسی مثالی خطے سے کم نہیں ہیں- مزید بر آں یہ کہ آپ (ﷺ) نے کسی بھی پرندے یا جانور کو ناحق اور بے فائدہ مارنے سے شدت کے ساتھ روکا ہے اور حیاتیاتی تنوع کے تحفظ کا انتظام فرمایا ہے-

حضرت عبد اللہ بن عمر (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ رسول اللہ (ﷺ) دعا فرمایا کرتے تھے کہ:

”یا اللہ! میں تجھ سے تیری نعمت کے زائل ہو جانے، تیری عافیت کے پلٹ جانے، اچانک مصیبت آ جانے اور تیری ہر قسم کی ناراضگی سے پناہ مانگتا ہوں“-[14]

صوتی آلودگی:

شور بھی ماحولیاتی آلودگی کی ایک قسم ہے- انسانی سماعت ایک خاص فریکونسی 20Hz سے 2000Hz تک کی آواز کو سن سکتے ہیں جس سے زیادہ فریکونسی کی آواز انسان سننے سے قاصر ہوتے ہیں- مشینی دور میں صوتی آلودگی بھی ایک خطرناک مسئلہ بن چکا ہے جس کے باعث عوام میں سماعت کے مسائل اور ذہنی امراض جنم لیتے ہیں- سیرت طیبہ (ﷺ) میں صوتی آلودگی کو کم کرنے کا سبق ملتا ہے- آپ (ﷺ) ایسے شخص کو ناپسند فرماتے جس کی آواز تیز

[11] (سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: 425)

[12] (سنن ابن ماجہ، کتاب الطہارت وسننہا)

[13] (صحیح بخاری، رقم الحدیث: 3473)

[14] (صحیح مسلم، کتاب الرقاق)

ہوتی اور پست آواز والے کو پسند فرماتے- اس کے علاوہ متعدد احادیث میں شور مچانے کی حوصلہ شکنی کی گئی ہے- لہذا ہمیں چاہیے کے ہر شعبہ ہائے زندگی میں آپ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کریں- ٹریفک میں بے جا ہارن کا استعمال، زیادہ شور مچانے والی گاڑیاں اور موٹر سائیکل عوام الناس کیلئے تکلیف کا باعث بنتا ہے- اس کے علاوہ آبادیوں کے قریب فیکٹریوں میں شور کم کرنے کیلئے مناسب انتظام کیا جانا چاہیے- گھریلو سطح پر بھی موسیقی کے آلات یا شور مچانے والی مشینری سے ہمسائیوں کو تکلیف نہیں پہنچنی چاہیے-

آبی آلودگی:

آبی آلودگی سے مراد ندی، نالوں، دریاوں، سمندروں اور زیرزمین پانی کے ذخیروں میں ایسے کیمیکل کا یا جرثوموں کا شامل ہو جانا ہے جو انسانوں اور ماحول کے لیے مضر ہو- آبی آلودگی کی بہت ساری وجوہات ہیں جن میں زراعت میں استعمال ہونے والی ادویات، فیکٹریوں اور کارخانوں سے نکلنے والے زہریلے مادے ہیں جن کو براہ راست بغیر صفائی کے ندی نالوں میں چھوڑ دیا جاتا ہے، گھروں کا فاضل مادہ اور سمندری پانی میں شامل ہونے والا تیل اور دیگر شامل ہیں- دنیا میں 80 فیصد استعمال شدہ پانی بغیر صاف کیے واپس ماحول میں شامل ہوتا ہے- اس میں وہ پانی بھی شامل ہے جو بارش کے بعد سڑکوں سے ہر طرح کے کوڑا کرکٹ، تیل اور گریس کو اپنے ساتھ بہا کے ندی نالوں میں لے جاتا ہے- اس کے علاوہ ایک بڑی مقدار میں استعمال شدہ پلاسٹک کی بنی اشیاء بھی پانی کے ذخیروں میں شامل ہو رہی ہیں- پانی انسانی زندگی میں جز و لاینفک کی حیثیت رکھتا ہے- سیرت مبارکہ میں پانی کی طہارت پر بہت زور دیا گیا ہے-

پانی کی صفائی کے تعلق سے رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا:

”ایسے ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرو جو جاری نہ ہو (تاکہ ایسا نہ ہو کہ) پھر تم اسی سے غسل کرو“-[15]

حضرت جابر (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ:

”رسول اللہ (ﷺ) نے جاری پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے“-[16]

مسلمان ہونے کے ناطے سیرت طیبہ کی روشنی میں ہم پہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ہم ملکی و انفرادی سطح پہ پانی کی آلودگی کو کم کرنے میں اپنا کردار ادا کریں-

سیرت نبوی (ﷺ) کی درخشندہ تعلیمات میں ماحولیاتی آلودگی سے تحفظ کے ضمن میں کثیر راہنمائی فراہم کی گئی ہے- جو ذاتی طہارت سے لے کر فضائی، آبی و صوتی لطافت تک پھیلی ہوئی ہے- سیرت طیبہ (ﷺ) کے بیشتر پہلوؤں کو پیش نظر رکھا جائے تو یہ بصیرت ملتی ہے کہ اس کرۂ ارض پہ اللہ تعالیٰ کا نائب ہونے کے ناطے انسان کو اس زمین کے قدرتی ماحول اور حیاتیاتی نظام کی از حد حفاظت کرنی چاہیے- جو انسان کے لیے ایک طرح سے ثوابِ دارین کا ذریعہ ہے اور دوسری طرف انسان کی اپنی صحت اور حفاظت کے لیے بہترین اہتمام ہے- آج آلودگی کی کسی بھی صورت کو روکنا ہر مسلمان کی دینی و قومی ذمہ داری ہے- جدید دور میں تہذیب یافتہ قوموں کی پہچان کا پیمانہ صفائی و پاکیزگی ہے- مسلمان کی تو ابتدا اور انتہا طہارت پر ہے- مسلمان کی فطرت میں اللہ رب العزت نے طہارت و پاکیزگی کا جوہر ودیعت کیا ہے- لہٰذا، آج ہر مسلمان کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ ماحولیاتی آلودگی کے خاتمے کے لیے بڑھ چڑھ کر اپنی خدمات پیش کرے-

☆☆☆

[15] (صحیح مسلم)

[16] (المعجم الاوسط، رقم الحدیث: 1749)

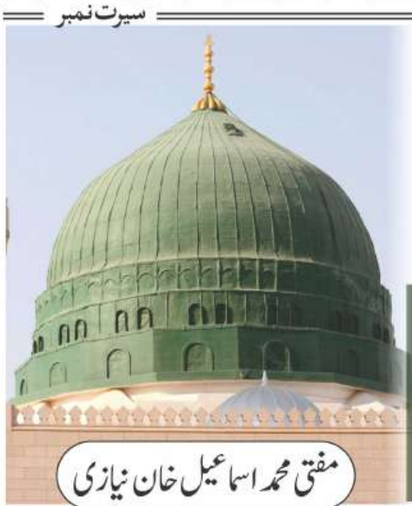

صفائی کی اہمیت

احادیث مبارکہ کی روشنی میں

مفتی محمد اسماعیل خان نیازی

سیدی رسول اللہ (ﷺ) نے جسمانی طہارت کی بہت زیادہ تاکید فرمائی، آپ (ﷺ) نے ماحول، گھر، برتن اور راستوں تک کو صاف رکھنے کا حکم فرمایا، راستوں اور گزرگاہوں اور تالابوں اور دریاؤں میں بول و براز اور گندگی ڈالنے سے منع فرمایا، راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانے کو صدقہ قرار دیا، کھانا کھانے سے پہلے اور کھانا کھانے کے بعد ہاتھ دھونا کھانے کی برکت قرار دیا- آپ (ﷺ) نے پیتے ہوئے برتن میں سانس لینے اور کھانے پر پھونکنے سے منع فرمایا- نیند سے بیدار ہو کر ہاتھ تین بار دھونے سے قبل برتن میں نہ ڈالنے کا حکم ارشاد فرمایا- تکلیف دہ بو سے ناپسندیدگی کا اظہار فرماتے ہوئے لہسن اور پیاز کھا کر مساجد سے دور رہنے کی تلقین فرمائی- احادیث مبارکہ میں ظاہری طہارت و پاکیزگی کے بارے میں کئی فرامین مبارکہ ہیں اُن میں چند روایات مبارکہ لکھنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں:

حضرت ام سلمہ (رضی اللہ عنہا) سے مروی ہے کہ سیدی رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

”جب تم دودھ پیا کرو تو کلی کر لیا کرو کیونکہ اس میں چکناہٹ ہوتی ہے“-[1]

اس سے اندازہ لگائیں کہ اسلام صفائی کو کس درجہ اہمیت دیتا ہے کہ دودھ کی چکناہٹ کو بھی دور کرنے کا حکم مبارک ارشاد فرمایا- آپ ایک اور حدیث مبارک سے فہم حاصل کر لیں کہ پیغمبر اسلام (ﷺ) نے کس قدر صفائی کی تعلیم و تلقین فرمائی کہ حضرت جابر (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ:

”حضور نبی کریم (ﷺ) ہمارے ہاں تشریف لائے اور آپ (ﷺ) نے ایک شخص کے بکھرے ہوئے بال دیکھے تو ارشاد فرمایا: اس سے اتنا نہیں ہوتا کہ اپنے بال درست کر لے“-

(اسی طرح) آپ (ﷺ) نے ایک شخص کو میلے کپڑے پہنے ہوئے دیکھا تو آپ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

”اس سے اتنا نہیں ہوتا کہ کپڑے دھو لیا کرے“-[2]

ایک اور روایت میں ہے کہ:

”ایک مرتبہ ایک شخص بارگاہِ رسالت مآب (ﷺ) میں حاضر ہوا جس نے میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے تھے تو آپ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا: کیا تمہارے پاس اللہ پاک کا دیا ہوا مال نہیں ہے؟ عرض کی (یارسول اللہ (ﷺ)! ہاں ہے- تو آپ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کونسا مال؟ عرض کی: اللہ تعالیٰ نے مجھے اونٹ، بھیڑ، بکریاں، گھوڑے اور غلام عطا فرمائے ہیں- (تو سیّدی رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ) جب اللہ پاک نے تمہیں نعمت دی ہے تو اس نعمت کا اثر اور عزت تم پر دکھائی دینی چاہیے“-[3]

---

[1] ابن ماجة، محمد بن یزید، سنن ابن ماجه، (الحلب: دار إحياء الكتب العربية)، كِتَابُ الطَّهَارَةِ وَسُنَنِهَا، ج:1، ص:167، رقم الحديث:499-

[2] ابوداؤد، سليمان بن الأشعث (المتوفى: 275هـ)، المراسيل، (بيروت: مؤسسة الرسالة، الطبعة: الأولى، 1421ه)، كِتَابُ اللباس، ج:4، ص:51، رقم الحديث:4062-

[3] ایضاً، رقم الحديث:4063-

یہی وجہ ہے کہ:

"جب حضرت عبد اللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) جب حروریہ کے پاس سفیر بن کر گئے تو یمن کے نہایت قیمتی لباس پہن کر تشریف لے گئے جب وہاں پہنچے تو یمنیوں نے کہا: مرحبا اے ابن عباس! یہ کیا لباس ہے؟ آپ (رضی اللہ عنہ) نے ارشاد فرمایا: تم اس پر معترض ہو؟ بلاشبہ میں نے حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بہتر سے بہتر کپڑوں میں دیکھا ہے"۔[4]

ان مذکورہ احادیث مبارکہ کے علاوہ یہ فرامین مقدسہ بھی صفائی کی اہمیت کو مزید عیاں کرتے ہیں:

کھانا کھانے سے پہلے اور کھانا کھانے کے بعد ہاتھ کی صفائی کے بارے میں حضرت سلمان (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

"کھانا کھانے سے پہلے اور کھانا کھانے کے بعد ہاتھ دھونا کھانے کی برکت ہے"۔[5]

سیّدی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

"اللہ تعالیٰ پاک ہے، پاکی پسند فرماتا ہے، ستھرا ہے، ستھرا پن پسند فرماتا ہے، کریم ہے کرم کو پسند فرماتا ہے، اللہ عزوجل سخی ہے سخاوت کو پسند فرماتا ہے لہٰذا تم اپنے صحن صاف رکھو اور یہود سے مشابہت نہ کرو"۔[6]

اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) سے مروی ہے کہ سیدی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے دانتوں کی صفائی کے بارے میں ارشاد فرمایا:

"مسواک کرنا منہ کی صفائی اور رب کی رضا ہے"۔[7]

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مزید ارشاد فرمایا:

"اگر مجھے امت پہ دُشوار نہ ہوتا تو میں انہیں ہر وضو کے وقت مسواک کرنے کا حکم فرماتا"۔[8]

سیّدی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک موقع پہ منہ کی صفائی کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا:

"اپنے منہ کو مسواک کے ذریعے صاف رکھو کیونکہ یہ قرآن کا راستہ ہے"۔[9]

دراصل! اسلامی عقائد میں جو اہمیت توحید کی ہے وہی حیثیت عبادت میں طہارت کی ہے۔یعنی جس طرح توحید کے بغیر کوئی عقیدہ اور عمل قبول نہیں ہو سکتا، ویسے ہی طہارت کے بغیر کوئی عبادت قبول نہیں ہو سکتی۔جیسا کہ تاجدارِ کائنات، سیدی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

"اللہ تعالیٰ طہارت کے بغیر کوئی نماز قبول نہیں فرماتا"۔[10]

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مزید ارشاد فرمایا:

"طہارت نماز کی چابی ہے"۔[11]

حضرت عبد اللہ بن بشر مازنی (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ سیدی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

"اپنے ناخن تراشو، ناخنوں کے تراشے دفن کر دو، انگلیوں کے جوڑ صاف کرو، مسوڑھوں سے طعام کے

---

[4] ابوداؤد، سلیمان بن الأشعث (المتوفی: 275ھ)، المراسیل، (بیروت: مؤسسة الرسالة، الطبعة: الأولى، 1421ھ)، کِتَابُ اللباس، ج:4، ص:45۔

[5] الطیالسی، سلیمان بن داود، (المتوفی: 204ھ)، مسند أبي داود، الطبعة: الأولى، 1419ھ، (الناشر: دار هجر، مصر)، باب، سَلْمَانُ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى، ج:2، ص:46

[6] الترمذی، محمد بن عیسی، سنن الترمذی، ایڈیشن دوم، (الناشر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي – مصر (1395ھ)، بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّظَافَةِ، ج:5، ص:11۔ رقم الحدیث:2799۔

[7] البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، ایڈیشن اولی، (دار: طوق النجاة۔1422ھ)، کِتَابُ الصَّوْمِ، ج:3، ص:31

[8] ایضاً

[9] البیهقی، أحمد بن الحسین، شعب الایمان، ایڈیشن اول، (الریاض: مکتبة الرشد للنشر والتوزیع، 1423ھ)، باب تعظیم القرآن، ج:3، ص:451، رقم الحدیث:1940۔

[10] القشیری، مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم (بیروت، دار إحياء التراث العربي) کِتَابُ الطَّهَارَةِ، ج:1، ص:203

[11] ابوداؤد، سلیمان بن الأشعث، سنن أبی داود، (بیروت: المکتبة العصریة، صیدا) کِتَابُ الطَّهَارَةِ، ج:1، ص:16، رقم الحدیث:61

ذرات صاف کرو، دانت صاف کرو اور میرے پاس گندہ اور بدبودار منہ لے کر نہ آیا کرو"۔[12]

9: حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ سیدی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

"اپنی وسعت وحیثیت کے بقدر پاک و صاف رہنے کا اہتمام کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی بنیاد ہی نظافت پر رکھی ہے، اور جنت میں داخل ہی وہ شخص ہو گا جو پاک وصاف رہنے کا اہتمام کرتا ہو"۔[13]

حضرت انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ سیدی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

"برتنوں اور گھروں کے صحن کی صفائی سے غناو مال داری نصیب ہوتی ہے"۔[14]

حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ سیدی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

"اللہ عزوجل کی طرف سے ہر مسلمان پہ واجب ہے کہ وہ سات دنوں میں (کم از کم) ایک دن (ضرور) غسل کرے"۔[15]

سیدی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

"بے شک تم اپنے بھائیوں کے پاس جاؤ گے، پس تم اپنے لباس اچھے رکھنا اور اپنی سواریوں کا خیال رکھنا یہاں تک کہ تم لباس میں تل کی مانند ہو (یعنی جس طرح تل جسم پر واضح ہوتا ہے تم بھی لوگوں میں اتنے صاف ستھرے رہو کہ تم سب سے الگ تھلگ نظر آؤ)"۔[16]

باطنی صفائی کی تعلیم و تلقین اور اہمیت:

جس طرح ظاہری اجسام مختلف بیماریوں (بخار، کھانسی، کینسر وغیرہ) کے شکار ہوتے ہیں، اسی طرح قلوب بھی مختلف بیماریوں (شرک، کفر، غرور و تکبر، خود پسندی، کینہ، حسد، نفاق، فتنہ، تعصب اور ریاء وغیرہ) کی زد میں آتے ہیں-اس لیے حقیقی کامیابی کے لیے فقط ظاہر کی طہارت کافی نہیں ہے بلکہ باطن کی طہارت بھی لازمی ہے-کیونکہ اقرار باللسان، ایمان کیلئے کافی نہیں جب تک تصدیق بالقلب کا عمل جاری نہ ہو جائے تو ایمان کامل نہیں ہوتا-یہاں ذیل میں ظاہری احکاماتِ طہارت کی طرح باطنی طہارت کے بارے میں مرقوم فرامین مبارکہ لکھنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ سیدی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

"جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں سیاہ نکتہ لگ جاتا ہے، پس جب اس گناہ سے باز آتا ہے اور توبہ و استغفار کرتا ہے تو اس کے دل کو صاف کر دیا جاتا ہے اور اگر وہ دوبارہ گناہ کرے تو اس سیاہی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ سیاہی اس کے دل پہ چھا جاتی ہے اور یہی رَین یعنی وہ زنگ ہے جس کا ذکر فرماتے ہوئے اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

"كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ"

"کوئی نہیں بلکہ ان کے دلوں پر زنگ چڑھا دیا ہے ان کی کمائیوں نے"۔[17]

معاذ اللہ بعض اوقات بندہ ایسے گناہ کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے کہ اس کی وجہ سے اس کے دل پہ ایسا پختہ نکتہ لگتا ہے جس کا مٹنا محال ہوتا ہے جیسا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

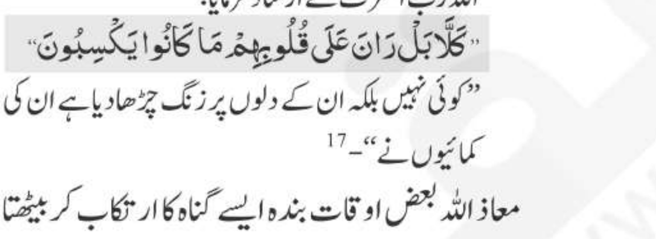

[12] القرطبي، محمد بن أحمد، الجامع لأحكام القرآن -ایڈیشن دوم (القاهرة: دار الكتب المصرية-1384ھ)، زیر آیت البقرة:124، ج:12، ص:102

[13] المناوی، محمد المدعو بعبد الرؤوف بن تاج العارفين بن علي، فيض القدير شرح الجامع الصغير، (المكتبة التجارية الكبرى – مصر، الطبعة: الأولى، 1356)، باب، حرف التاء، ج،3، ص:270، رقم الحديث:6234

[14] الذهبي، محمد بن أحمد بن عثمان، (المتوفى: 748ھ)، ميزان الاعتدال فی نقد الرجال، (دار المعرفة للطباعة والنشر بيروت، لبنان، الطبعة: الأولى، 1382)، باب، علي بن محمد الزهري، ج:3، ص:155

[15] البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، ایڈیشن اولی، (دار الطوق النجاة-1422ھ)، كِتَابُ الجُمُعَةِ، ج:2، ص:5، رقم الحديث:898

[16] حاكم، محمد بن عبد الله، المستدرك على الصحيحين (بيروت، دار الكتب العلمية، 1411ھ)، كِتَابُ اللِّبَاسِ، ج:4، ص:203، رقم الحديث:7371

[17] الترمذی، محمد بن عيسى، سنن الترمذی، ایڈیشن دوم، (الناشر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي–مصر (1395ھ)، بَاب وَمِنْ سُورَةِ وَيْلٌ لِلْمُطَفِّفِينَ، ج:5، ص:434-رقم الحديث:3334

”جس نے کسی جھوٹی قسم کے ذریعے کسی مسلمان کا مال چھین لیا تو اس کی وجہ سے اس کے دل پہ سیاہ نکتہ لگ جائے گا جس کو قیامت تک کوئی چیز نہیں مٹا سکے گی“-[18]

انسانی جسم میں دل کی حیثیت ایک حاکم کی ہے، اس کی اصلاح پہ پورے جسم کی اصلاح کا دار ومدار ہے اور اس کے فسادی ہونے کی وجہ سے پورے جسم میں فساد پھیل جاتا ہے- جیسا کہ آقا کریم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

”خبر دار جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے اگر وہ صحیح ہے تو سارا جسم صحیح ہے اور اگر وہ فاسد تو سارا جسم فاسد ہے خبر دار وہ دل ہے“-[19]

خلاصہ کلام:

”طہارت و پاکیزگی ایمان کا حصہ (نصف ایمان) ہے“-

لیکن یاد رہے! اس صفائی کا ہرگز صرف یہ مطلب نہیں کہ آپ صرف نہا دھو کر صاف لباس پہن لیں تو اس حدیث مبارک پہ عمل ہو جائے گا، بلکہ اس کا لطیف مفہوم محی الدین سیدنا الشیخ عبد القادر جیلانی الحسنی والحسینی (رحمۃ اللہ علیہ) نے یوں بیان فرمایا ہے کہ:

”طہارت دو قسم کی ہے: (1) طہارتِ ظاہر جس کا تعلق شریعت سے ہے اور وہ پانی سے حاصل ہوتی ہے-

(2) طہارت باطن جو توبہ، تلقین، تصفیۂ قلب اور سلوک طریقت سے حاصل ہوتی ہے“-

حجۃ الاسلام امام غزالی (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں:

ان آیات اور روایات سے اہلِ بصیرت کو یہ علم ہوا کہ باطن کو پاک کرنا سب سے اہم فریضہ ہے سیدی رسول اللہ (ﷺ) کے فرمان مبارک ”طہارت نصف ایمان ہے“ کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ظاہر کو پانی بہا کر صاف سُتھرا کر لیا جائے جبکہ باطن بدستور پلیدیوں اور نجاستوں سے پراگندہ رہے- اس لیے کہ طہارت کے چار درجات ہیں:

1. ظاہری بدن کو ناپاکیوں، نجاستوں اور پاخانے وغیرہ سے پاک کرنا-
2. اعضاء کو خطاؤں اور گناہوں سے پاک کرنا-
3. دل کو بداخلاقی اور ناپسندیدہ خصلتوں سے پاک رکھنا-
4. باطن کو اللہ عزوجل کے سوا ہر چیز سے پاک کرنا-

آخر الذکر نبیوں اور صدیقوں کی طہارت ہے-

اسلام ایک ایسا دین ہے جو ذہن، روح اور جسم کی صفائی اور پاکیزگی کو پسند فرماتا اور اس کا درس دیتا ہے- قرآن کریم کی آیات سے اور رسول اللہ (ﷺ) کی احادیث مبارکہ سے پاکیزگی کی اہمیت عیاں ہے- پاکیزہ جسم اور روح نہ صرف دل کو خالص رکھتے ہیں بلکہ یہ ہماری صحت کے بھی ضامن ہیں- بحیثیت مسلمان یہ ہم پر فرض ہے کہ ہم اپنے جسم اور روح کو پاک رکھنے کی کوشش کریں تاکہ اللہ کے رستے پر اپنا سفر جاری رکھ سکیں- اللہ تعالیٰ ہمارا حامی و ناصر ہو- آمین!

☆☆☆

[18] حاکم، محمد بن عبد اللہ، المستدرك على الصحيحين (بیروت، دار الكتب العلمية 1411ھ)، كِتَابُ الْأَيْمَانِ وَالنُّذُورِ، ج: 4، ص: 327- رقم الحديث: 7800

[19] البخاری، محمد بن اسماعیل (رحمۃ اللہ علیہ)، الجامع الصحیح، ایڈیشن اولی، (دار الطوق النجاة-1422ھ)، کتاب الایمان، ج:1، ص:20، رقم الحدیث: 52

خوش لباسی اور سیرتِ طیبہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

مفتی محمد شیر القادری

لباس اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے اور یہ اُن نعمتوں میں سے ہے جن کا اللہ تعالیٰ نے نام لے کر اپنے بندوں پر احسان جتلایا ہے اور اپنی بارگاہ سے خصوصی طور پر اولاد آدم کیلئے نازل فرمایا ہے- لباس بطورِ انعام کے اولاد آدم کو عطا کئے جانے کا یہ شرف صرف انسان کو حاصل ہے دنیا کی کسی اور مخلوق کو اِس نعمت سے سرفراز نہیں فرمایا گیا- اللہ تعالیٰ نے تمام اولادِ آدم کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا:

"یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ قَدۡ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکُمۡ لِبَاسًا یُّوَارِیۡ سَوۡاٰتِکُمۡ وَرِیۡشًا ؕ وَلِبَاسُ التَّقۡوٰی ۙ ذٰلِکَ خَیۡرٌ ؕ ذٰلِکَ مِنۡ اٰیٰتِ اللّٰہِ لَعَلَّہُمۡ یَذَّکَّرُوۡنَ"[1]

"اے اولاد آدم! بیشک ہم نے تم پر ایسا لباس نازل کیا ہے جو تمہاری شرم گاہوں کو چھپاتا ہے اور وہ تمہاری زینت (بھی) ہے اور تقویٰ کا لباس، وہی سب سے بہتر لباس ہے، یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں"-

امام رازی تفسیر کبیر میں اسی آیت کریمہ کے تحت لکھتے ہیں:

"اس آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ آیات جو اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر فضل و رحمت پر دلالت کرتی ہیں یعنی اُن آیات میں اُن پر لباس کا اتارنا بھی ہے- تاکہ وہ اس میں نصیحت حاصل کرتے ہوئے اِس عظیم نعمت کو پہچانیں (اور اس کی قدر کریں)"-[2]

لباس کی قدر اور اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ لباس آیاتِ الٰہی میں سے ایک آیت ہے- اس لئے اس کی قدر کرنا لازم ہے-

امام ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر میں اسی آیت کے تحت لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ کا بندوں پر احسان ہے جس نے انہیں لباس اور زینت بخشی"-[3]

امام قرطبی "تفسیر قرطبی" میں اِسی آیت کے تحت لکھتے ہیں:

"مَیں کہتا ہوں کہ مِن جملہ نعمتوں میں سے ایک شرم گاہ کو ڈھانپنا بھی ہے"-[4]

لباس کا پہلا مقصد بھی یہی ہے کہ بدن کے اُن اعضا کو دوسروں کی نظروں سے چھپایا جائے جنہیں برہنہ رکھنا شرعاً ممنوع ہے، کیونکہ غیر ساتر لباس پہننے والوں کیلئے سخت وعید آئی ہیں- البتہ مجبوری کی حالت اِس سے مستثنیٰ ہے-

لباس کا دوسرا مقصد زیب و زینت کا حصول ہے کہ انسان خوبصورت دکھائی دے اور یہ زینت اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو عطا فرمائی ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

[1](الاعراف:26)

[2]تفسير الكبير، ج:14، ص:222، الناشر: دار إحياء التراث العربي - بيروت

[3]تفسير ابن كثير، ج:3، ص:359، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت

[4]تفسير الجامع لأحكام القرآن، ج:7، ص:182 الناشر: دار الكتب المصرية – القاهرة

"قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِىَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ"[5]

"(اے نبی (ﷺ) آپ کہیے، اللہ کی زینت کو کس نے حرام کیا ہے جو اس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہے، اور اس کی دی ہوئی پاک چیزوں کو، آپ کہیے یہ چیزیں دنیا کی زندگی میں ایمان والوں کے لیے ہیں اور قیامت کے دن تو خصوصاً ان ہی کے لیے ہیں، ہم جاننے والے لوگوں کے لیے اسی طرح تفصیل سے آیتوں کو بیان کرتے ہیں"۔

امام قرطبی، "تفسیر قرطبی" میں اسی آیت کے تحت لکھتے ہیں:

"یہاں زینت کا لفظ خوبصورت اور حسین لباس کیلئے ہے جب اِسے پہننے والا اِس پر قادر ہو"۔

امام قرطبی مزید اِسی آیت کے تحت لکھتے ہیں:

"یہ آیت قیمتی اور عمدہ لباس پہننے، جمعہ، عیدین، لوگوں اور اپنے بھائیوں کی ملاقات کے وقت لباس کے ساتھ حسن و جمال کا اظہار کرنے پر دلیل ہے"۔

آپ مزید لکھتے ہیں:

"انسان پر واجب ہے کہ وہ خوبصورت دکھائی دے اور یہ نفس کا حق ہے اور اس چیز میں شریعت نے اس پر ملامت نہیں کی، اسی لیے وہ بال سنوارتا ہے، شیشہ دیکھتا ہے اور عمامہ درست کرتا ہے"۔

سیدنا حضرت عمر فاروق (رضی اللہ عنہ) کی مونچھیں بڑی بڑی تھیں اُن کو سنوارتے اور بنا کے رکھتے، جیسا کہ مؤرخین نے کتبِ تاریخ میں لکھا ہے کہ:

"حضرت عمر فاروق (رضی اللہ عنہ) کی مونچھوں کے دائیں بائیں سے بال کافی بڑے تھے یعنی بڑی مونچھیں تھیں"۔[6]

مطلب یہ ہے کہ آدمی کو چاہئے کہ اپنے کپڑوں، بالوں، داڑھی اور مونچھوں کو سنوار کے رکھے تاکہ خوبصورت لگے۔

علامہ اَبو بکر محمد بن جعفر الخرائطی (المتوفی: 327ھ) اور امام قرطبی اسی حوالے سے ایک روایت نقل کرتے ہیں:

"اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) فرماتی ہیں کہ رسول اللہ (ﷺ) کے اصحاب کا ایک گروہ آپ (ﷺ) کی ملاقات کیلئے آپ (ﷺ) کے کاشانہ اقدس پہ حاضر ہوا، منتظر تھا کہ آپ (ﷺ) تشریف لائیں، پس آپ (ﷺ) ملاقات کیلئے باہر تشریف لائے اور گھر میں ایک برتن تھا جس میں پانی تھا تو آپ (ﷺ) پانی میں دیکھنے لگے اور اپنی ریش مبارک اور اپنے بال مبارک سیدھے اور درست فرمانے لگے تو میں نے عرض کی یا رسول اللہ (ﷺ) کیا آپ بھی یہ کر رہے ہیں؟ تو آپ (ﷺ) نے فرمایا: ہاں جب آدمی اپنے بھائیوں کے پاس جائے تو اُسے چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو تیار کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے"۔[7]

حضرت ابو العالیہ فرمایا کرتے: مُسلمان جب آپس میں ایک دوسرے سے ملاقات کریں تو وہ حُسن و جمال کا اہتمام کریں، (یعنی تیاری کریں تاکہ خوبصورت لگیں) جس طرح لباس آیاتِ الٰہی میں سے ایک آیت (نشانی) ہے اسی طرح لباس کا خوبصورت ہونا بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔ آقا کریم (ﷺ) نے اپنے عمل سے اس نعمت کا شکر ادا کرنے کی اُمت کو تلقین بھی کی اور نیا لباس پہننے پر دعا کی تعلیم بھی فرمائی؛ اور آپ (ﷺ) نے مختلف مواقع پر صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کو تاکید فرمائی کہ آدمی کے وجود پر اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اثر ظاہر ہونا چاہیے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔

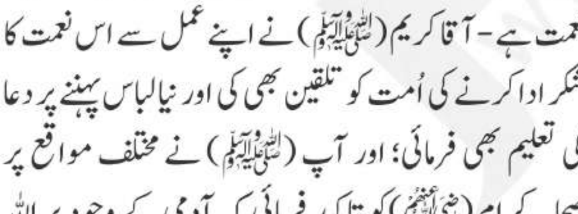

[5] الاعراف:32

[6] معرفة الصحابة جز:1، ص:45، الناشر: دار الوطن، الرياض
الاستيعاب فی معرفة الأصحاب، جز:3، ص:1146، الناشر: دار الجيل، بيروت
تاريخ دمشق، جز:44، ص:17، الناشر: دار الفكر لبنان، بيروت
تاريخ الخلفاء، جز:1، ص:105، الناشر: مكتبة نزار مصطفى الباز

[7] اعتلال القلوب للخرائطی (المتوفی:327ھ)، جز:1، ص:170، الناشر: نزار مصطفى الباز، مكة المكرمة-الرياض
الجامع لأحكام القرآن، للقرطبی (المتوفی:671ھ)، جز:7، ص:197، الناشر: دار الكتب المصرية-القاهرة

’’حضرت ابو الاحوص (رضی اللہ عنہ) کے والد بیان کرتے ہیں کہ مَیں رسول اللہ (ﷺ) کے پاس میلے کچیلے کپڑوں میں حاضر ہوا، آپ (ﷺ) نے فرمایا: کیا تمہارے پاس مال ہے؟ مَیں نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ (ﷺ) (میرے پاس ہر قسم کا مال ہے)، آپ (ﷺ) نے فرمایا: کیسا مال ہے؟ مَیں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اونٹ، بکریاں، گھوڑے اور غلام عطا فرمائے ہیں، رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے تجھے مال دیا ہے تو اللہ تعالیٰ کی نعمت اور بخشش کا اثر تم پر ظاہر ہونا چاہیے‘‘۔[8]

’’مؤطا امام مالک‘‘ میں ہے کہ حضرت عمر فاروق (رضی اللہ عنہ) فرمایا کرتے:

’’جب اللہ تعالیٰ تم پر کشادگی فرمائے تو تم بھی اپنے اوپر کشادگی کیا کرو‘‘۔[9]

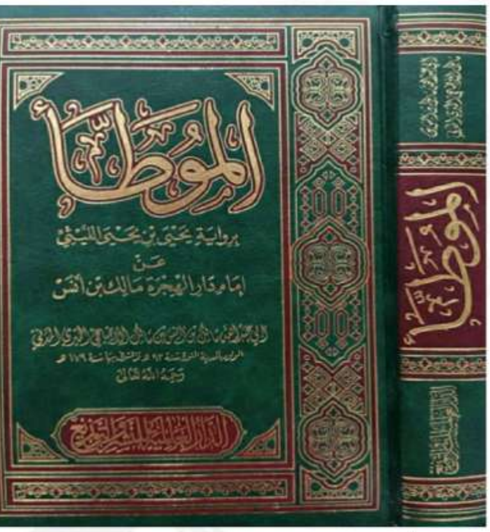

اگر اللہ تعالیٰ نے وسعت عطا فرمائی ہے تو اللہ و رسول کی فرمانبرداری میں رہتے ہوئے رہن سہن اور لباس وغیرہ اچھا رکھنا چاہیے، یہ غرور و تکبر نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اظہار ہے اور نعمت کی شکر کی ادائیگی ہے- جیسا کہ حدیث پاک میں آتا ہے:

’’حضرت عبد اللہ ابن مسعود (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ (ﷺ) مجھے یہ اچھا لگتا ہے کہ میرے کپڑے دھلے ہوئے ہوں اور میرے سر میں تیل لگا ہوا اور میری جوتی نئی ہو، اس نے اور بھی کئی چیزیں ذکر کیں حتی کہ اپنے چابک کی ڈوری کا بھی ذکر کیا اور پوچھا یارسول اللہ (ﷺ) کیا یہ چیزیں تکبر سے ہیں؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا نہیں یہ جمال ہے اور بے شک اللہ جمیل ہے اور جمال سے محبت کرتا ہے- لیکن تکبر حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے‘‘۔[10]

امام فخر الدین رازی اِس آیت ’’قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ‘‘ کی تفسیر میں زینت اور طیبات کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’زینت سے مُراد عام ہے اور اِس میں زینت کی تمام اقسام شامل ہیں اِس میں بدن کو صاف رکھنا، سواریاں رکھنا اور انواع و اقسام کے زیورات شامل ہیں اور اگر مردوں پر سونے چاندی اور ریشم کی حرمت کے متعلق نص نہ آئی ہوتی تو وہ بھی اس عموم میں شامل ہوتے، اور (طیبات رزق) میں ماکولات و مشروبات کی تمام اقسام داخل ہیں، جن سے لذت اور چاہت حاصل ہو‘‘۔[11]

مطلب یہ تھا کہ اچھا لباس پہننا تکبر نہیں ہیں اور نہ خلافِ زہد و تقوی ہے بلکہ زینت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو عطا فرمائی ہے اور زینت کا دائرہ کار وسیع ہے، باقی رہا تکبر تو وہ حق سے روگردانی کرنا اور لوگوں کو کم تر اور حقیر جاننا ہے- تو معلوم ہوا کہ زیب و زینت اور لباس کے حوالے سے اسلام کا دائرہ وسیع ہے، اسلام ایک آفاقی اور عالمگیر مذہب ہے اور یقیناً زمان و مکان کے اختلاف کی وجہ سے لوگوں کے رہن سہن، طور اطوار اور لباس و زبان ایک جیسے نہیں رہ سکتے تھے- اِس لئے دینِ اسلام نے قبولِ اسلام کے لئے کسی خاص قسم اور خاص ہیئت کے لباس و زبان کو شرط قرار نہیں دیا کہ اِس کو اپنائے بغیر اسلام میں داخل نہیں ہو سکتے، یہی وجہ ہے کہ احادیث و آثار میں انواع و اقسام کے کپڑے پہننے کا ثبوت موجود ہے-

[8]سنن أبي داود، كِتَاب اللِّبَاسِ، الناشر: المكتبة العصرية، -بيروت
[9]موطأ الإمام مالك، جز2، ص82، الناشر: مؤسسة الرسالة
[10]مسند احمد بن حنبل، ج:6، ص:338، الناشر: مؤسسة الرسالة، بيروت
[11]مفاتيح الغيب للرازى، ج:14، ص:230، الناشر: دار إحياء التراث العربي، بيروت

اسلام نے توفقط مرد وعورت پر شرم گاہ کو چھپانا فرض قرار دیا ہے اور اِس سے زیادہ کو زینت میں شمار کیا ہے - حضور نبی کریم (ﷺ) کی سیرت طیبہ سے پتا چلتا ہے کہ اسلام میں لباس پہننے کی وسعت کتنی ہے -علامہ غلام رسول سعیدی شرح صحیح مسلم میں لکھتے ہیں کہ:

"حضور نبی کریم (ﷺ) نے سفید اور مختلف رنگوں کے حلے (ایک قسم کی دو چادریں) پہنی ہیں، جبہ اور کوٹ زیب تن کیا ہے، قبا (ایک قسم کی شیروانی) پہنی ہے، آپ نے قمیص پہنی ہے اور یہ آپ کا پسندیدہ لباس تھا، سیاہ رنگ کا عمامہ باندھا ہے، اور کھال اور کپڑے کی مختلف قسم کی ٹوپیاں پہنی ہیں، پوستین پہنی ہے اور بیل بوٹوں والی نقشین اور سادہ چادریں اور اونی کمبل اوڑھے ہیں، ایسا جبہ اور پوستین پہنی ہیں جن کی آستینوں پر ریشم کا کام کیا گیا تھا، آپ (ﷺ) نے شلوار خریدی ہے-علامہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ بعض روایات میں ہے کہ آپ نے شلوار پہنی بھی ہے آپ نے اونی، سوتی، باریک اور موٹے ہر قسم کے کپڑے پہنے ہیں اور غیر اسلامی ملکوں کے بنے ہوئے کپڑے بھی آپ نے پہنے ہیں-(نیز آپ (ﷺ) نے شامی جبے، رومی جبے، یمنی اور قطری منقش اور دھاری دار چادریں بھی زیب تن فرمائی ہیں)- آپ (ﷺ) نے سادہ اور انتہائی قیمتی اور اعلیٰ قسم کے کپڑے بھی پہنے ہیں"-[12]

مفتی بغداد علامہ محمود آلوسی، لکھتے ہیں:

"ایک مرتبہ حضور نبی کریم (ﷺ) نے ایک ہزار درہم کی چادر زیب تن فرمائی"-[13]

امام ذہبی لکھتے ہیں:

"حضرت علی بن حسین بن علی ابن ابی طالب سردیوں میں پچاس دینار کا کپڑا خرید کر لباس بناتے اور پھر گرمیوں میں اس کو صدقہ کر دیتے اور گرمیوں میں مصری کپڑوں میں سے خرید کر لباس بناتے"-[14]

امام قرطبی لکھتے ہیں:

"حضرت تمیم داری (رضی اللہ عنہ) نے نماز کے لئے ایک ہزار درہم کا حلہ خرید رکھا تھا- جس میں نماز پڑھتے تھے"-[15]

مفتی بغداد علامہ محمود آلوسی، لکھتے ہیں:

"حضرت امام اعظم ابو حنیفہ چار سو دینار کی چادر اوڑھتے تھے اور اپنے شاگردوں کو بھی اس کا حکم فرماتے، اور امام محمد بھی قیمتی لباس پہنتے تھے"-[16]

امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

"حضرت مالک بن انس (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شہر کے تمام فقہاء کو حسین لباس پہنے ہوئے دیکھا ہے"-[17]

جن روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کو کھانے، پینے اور لباس پہننے میں اتنی فراوانی نہیں تھی جیسا کہ آتا ہے کسی کی فقط ایک قمیض ہوا کرتی تھی یا اس قبیل کی جتنی بھی روایات ہیں، تو یہ اسلام کے اوائل دور کی بات ہے - یقیناً اوائل دور میں ایسی ہی صورتحال سے گزرنا پڑا- لیکن جب فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا اور مالِ غنیمت کی کثرت ہوئی تو صورتحال یکسر بدل گئی-

دوسری بات یہ ہے کہ مسلمان کی قلبی واردات اور دلی کیفیات بدلتی رہتی ہیں کبھی اس پر صبر اور زہد کا غلبہ ہوتا ہے تو وہ روزمرہ کے معمولی کپڑے پہنتا ہے تو کبھی اس پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے اظہار اور شکر کا غلبہ ہوتا ہے تو وہ عمدہ اور قیمتی لباس پہنتا ہے-

لباس کے حوالے سے ہمیشہ یہ چند باتیں پیش نظر رہنی چاہئیں کہ اصل میں اس کا استعمال کرنا جائز ہو یعنی ریشمی نہ ہو

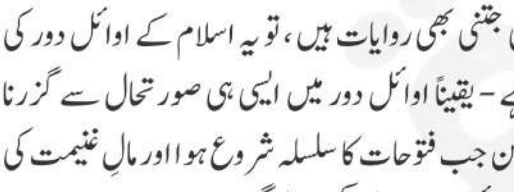

[12] شرح صحیح مسلم، ج:6، ص:374، فرید بک سٹال، اردو بازار لاہور، پاکستان
[13] تفسیر روح المعاني، ج:4 ص:352 الناشر: دار الکتب العلمیة – بیروت
[14] تاریخ الإسلام للذهبي، ج:6، ص:437، الناشر: دار الکتاب العربي، بیروت
تهذیب الکمال في أسماء الرجال، ج:20، ص:398، الناشر: مؤسسة الرسالة – بیروت
[15] تفسیر الجامع لأحکام القرآن، ج:7، ص:196، الناشر: دار الکتب المصریة – القاهرة
[16] تفسیر روح المعاني، ج:4، ص:352، الناشر: دار الکتب العلمیة – بیروت
[17] شعب الإیمان، ج:8، ص:270، الناشر: مکتبة الرشد للنشر والتوزیع بالریاض

مرد کیلئے - دوسری بات یہ ہے کہ قابل ستر ہو، مرد کا ستر ناف سے گھٹنوں کے نیچے تک ہے - یہ جو آج کل مرد اور نوجوان حضرات اتنے چھوٹے کچھے پہنتے ہیں جس سے گھٹنے ننگے رہ جاتے ہیں اور اسی طرح وہ گھومتے پھرتے ہیں، تو جاننا چاہئے کہ مرد کے گھٹنے اُن اعضاء میں شامل ہیں جن کو شرعاً چھپانا فرض ہے اور آزاد عورت کا سر سے لے کر پاؤں تک ہے -

لباس کے حوالے سے تیسری بات یہ ہے کہ عورتوں کے ساتھ مشابہت نہ ہو، فساق وفجار اور کفار کے ساتھ مشابہت نہ ہو، اُن کی قومی علامت یا مذہبی شعار بھی نہ ہو - یعنی کسی لحاظ سے مشابہت نہ رکھتا ہو، کہ دیکھنے والا یہ نہ کہہ سکے کہ یہ فلاں مذہب یا فلاں قوم کا آدمی ہے، کیونکہ رسول اللہ (ﷺ) کا ارشادِ گرامی ہے: ”جو شخص جس قوم کی مشابہت اختیار کرے گا اُس کا شمار اسی قوم سے ہو گا“ -[18]

محدث کبیر حضرت ملا علی قاری حنفی اس حدیث پاک کی شرح میں لکھتے ہیں:

”یعنی جس شخص نے لباس وغیرہ میں کفار کی مشابہت کی، یا فساق وفجار کی مشابہت کی، یا اہل تصوف اور صالحین وابرار لوگوں کی مشابہت کی، تو اس کا شمار انہی کے گروہ سے ہو گا - یعنی گناہ اور خیر میں“ -[19]

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی (رحمۃ اللہ علیہ) اس حدیث پاک کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:

”حدیث میں تشبہ مطلق ہے جو اخلاق، اعمال اور لباس (سب) کو شامل ہے - خواہ اچھے لوگوں کے ساتھ مشابہ ہو یا بُرے لوگوں کے ساتھ مشابہ ہو - اگر اخلاق واعمال میں مشابہت ہو، تو اس کا حکم ظاہر اور باطن دونوں کو شامل ہو گا - اگر صرف لباس میں مشابہ ہو تو اس کا حکم صرف ظاہر کے ساتھ مخصوص ہو گا“ -[20]

علامہ غلام رسول سعیدی اسی کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

”یعنی اگر کوئی شخص مثلاً سکھوں کا سا لباس اور ان کی وضع اور قطع اختیار کرے تو اس کا بظاہر سکھوں میں شمار ہو گا وہ حقیقت میں سکھ نہیں ہو جائے گا اور نہ قیامت کے دن سکھوں میں اٹھے گا - البتہ اس ظاہری لباس اور وضع قطع کو دیکھ کر دیکھنے والے اس کو سکھ خیال کریں گے“ -

غیر قوم کے ساتھ مشابہت کے حوالے سے اس بات کو اچھی طرح جان لینا چاہئے جس کو فقہاء کرام نے بڑی وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے تاکہ آدمی نہ سمجھی کی بنیاد پر کسی کے بارے کوئی غلط رائے نہ قائم کر لے -

علامہ ابن نجیم حنفی ”البحر الرائق شرح کنز الدقائق“ میں لکھتے ہیں:

”جان لو کہ اہل کتاب کے ساتھ ہر چیز میں تشبہ مکروہ نہیں ہے، کیونکہ ہم بھی کھاتے پیتے ہیں، جس طرح وہ کھاتے پیتے ہیں البتہ صرف مذموم کاموں میں ان کے ساتھ تشبہ ممنوع ہے یا جس کام کو ان کے ساتھ تشبہ کے قصد کے ساتھ کیا جائے وہ ممنوع ہے“ -[21]

علامہ حصکفی ”در مختار“ میں لکھتے ہیں کہ:

”اہل کتاب کے ساتھ ہر چیز میں تشبہ مکروہ نہیں ہے بلکہ مذموم چیزوں میں تشبہ مکروہ ہے اور جن کاموں میں تشبہ کا قصد کیا جائے“ -[22]

علامہ غلام رسول سعیدی ”شرح صحیح مسلم“ میں لکھتے ہیں کہ:

”کفار کے ساتھ تشبہ ان امور میں ممنوع ہے جو امور کفار کے عقائدِ فاسدہ اور اعمالِ باطلہ کے ساتھ مخصوص ہوں - یا جو امور کتاب و سنت کی تصریحات کے خلاف ہوں اور جو امور ہمارے اور کفار کے درمیان مشترک ہوں یا جو امور نافعہ ہوں ان میں اگر کفار کے ساتھ تشبہ واقع ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے - بلکہ

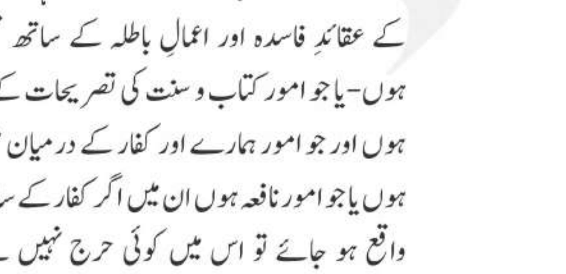

[18] سنن أبي داود، كِتَاب اللِّبَاسِ، الناشر: المكتبة العصرية، بيروت
[19] مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج:7، ص:2782، الناشر: دار الفكر، بيروت - لبنان
[20] اشعتہ اللمعات، ج:3، ص:585، المکتبۃ الرشیدیہ، کوئٹہ، پاکستان
[21] البحر الرائق، ج:2، ص:11، الناشر: دار الكتاب الإسلامي
[22] رد المحتار على الدر المختار، ج:1، ص:624، الناشر: دار الفكر - بيروت

احادیث میں اس قسم کے امور کو اختیار کرنے کی بکثرت مثالیں ہیں۔خندق کھودنا کفار کا طریقہ تھا، لیکن اس کے فائدہ مند ہونے کی وجہ سے حضور نبی کریم (ﷺ) نے اس کو اختیار کر لیا۔اسی طرح خط کے اوپر مہر لگانا بھی کفار کا طریقہ تھا لیکن اس کی افادیت کی بنا پر حضور نبی کریم (ﷺ) نے مہر بنوالی۔اسی طرح اور کئی مثالیں ہیں"۔[23]

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی (رحمۃ اللہ علیہ) "فتاوٰی عزیزیہ" میں لکھتے ہیں کہ:

"جو چیز کفار کے ساتھ مخصوص ہو اور اُس کو مسلمان استعمال کرتے ہوں خواہ وہ چیز از قبیلِ لباس ہو یا طعام۔سو وہ چیز تشبہ میں داخل ہے اور اس کا استعمال ممنوع ہے اور جو چیز کفار کے ساتھ مخصوص نہیں ہے اگرچہ کفار اُس چیز کو زیادہ استعمال کرتے ہوں اور مسلمان اُس کو کم استعمال کرتے ہوں تو اُس چیز کے استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔اِسی طرح اگر بعض امور کفار کے ساتھ کسی فائدہ کی بنا پر یا کسی آرام کی وجہ سے یا کسی دوا کے سبب سے مخصوص ہوں تو اُن امور کو اُن فوائد کے حصول کی وجہ سے حاصل کرنا جائز ہے بشرطیکہ اُس میں ان کے ساتھ تشبہ کی نیت نہ ہو۔ہاں جو تشبہ مطلقاً ممنوع ہے وہ یہ ہے کہ کوئی مسلمان اپنے آپ کو ان کی جماعت میں داخل کرے اور اُن کے ساتھ دل میں محبت

کرے اسی طرح ان کے مشابہت کے قصد سے ان کی زبان اور ان کی طرزِ تحریر کو سیکھے تو یہ ممنوع ہے اور ان کی عبادات اور ان کے تہواروں (مثلاً عید وغیرہ) میں تشبہ اختیار کرنا بھی مطلقاً ممنوع ہے۔اس مفہوم پر بکثرت احادیث دلالت کرتی ہیں اگر اُن سے تشبہ کی غرض ہو تو ہر چیز میں تشبہ منع ہے۔اسی طرح اگر کسی بدنی فائدہ کی بنا پر ان کا لباس پہنتا ہے جب کہ ان کی مشابہت مقصود نہیں ہے تو کوئی حرج نہیں ہے"۔[24]

اس مسئلے کی مزید وضاحت امام احمد رضا خان قادری (رحمۃ اللہ علیہ) کی زبانی عرض کر دیتے ہیں۔اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری "فتاوٰی رضویہ" میں ایک فتوی کی وضاحت میں لکھتے ہیں کہ:

"بنگلہ دیش میں ساڑھی ایک عام لباس ہے جس میں مسلم اور غیر مسلم دونوں شامل ہیں لہذا اس میں کسی ایک کی کوئی خصوصیت نہیں۔لہٰذا اس حالت میں از قبیلِ تشبہ نہیں"۔

اسی فتوی میں آگے نیچریوں کا ایک خاص قسم کی ٹوپی استعمال کرنے کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"صرف بے دین اس کے استعمال کی عادت رکھتے ہیں (یعنی نیچری) لیکن اب دیکھنے میں یہ آیا ہے (اور یہ مشاہدہ ہوا ہے) کہ بہت سے مسلمانوں میں بھی یہ سرخ بخار سرایت کر گیا ہے۔(یعنی وہ ٹوپی پہننا رواج پا گیا ہے) لہٰذا اب نیچریت کا شعار نہیں رہا۔پس اہل علم اور اصحابِ تقوٰی کو اس سے پرہیز کرنا چاہیے یہاں تک کہ علماء اور صلحاء کا معمول ہو جائے"۔[25]

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی (رحمۃ اللہ علیہ) کے ارشاد:

"جو چیز کفار کے ساتھ مخصوص نہیں ہے اگرچہ کفار اُس چیز کو زیادہ استعمال کرتے ہوں اور مسلمان اُس کو کم استعمال کرتے ہوں تو اُس چیز کے استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے"

[23] شرح صحیح مسلم، ج:6، ص:381، فرید بک سٹال، اردو بازار لاہور، پاکستان
[24] فتاوٰی عزیزیہ، ج:1، ص:11، مطبوعہ مجتبائی دہلوی بحوالہ: شرح صحیح مسلم
[25] فتاوٰی رضویہ، ج:22، ص:191-192، رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور پاکستان

اور حضرت امام احمد رضا خان (رحمۃ اللہ علیہ) کا یہ اصول بیان کرنا کہ:

"(ایسا لباس) جس میں مسلم اور غیر مسلم دونوں شامل ہوں- لہٰذا اس میں کسی ایک کی کوئی خصوصیت نہ ہو- لہٰذا اس حالت میں از قبیلِ تشبہ نہیں"

اور اعلیٰ حضرت کا دوسرا یہ فرمانا کہ:

"بہت سے مسلمانوں میں بھی یہ سرخ بخار سرایت کر گیا ہے- لہٰذا اب نیچریت کا شعار نہیں رہا"-

اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ایسا لباس گو کہ ایک زمانے میں وہ غیر مذہب کا مخصوص تھا، تو یقیناً اُس زمانے میں وہ از قبیل تشبہ تھا- لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اب وہ لباس غیر مذہب کی خصوصیت نہیں رہا بلکہ وہ مسلمانوں میں بھی رواج پا گیا تو اب وہ از قبیلِ تشبہ نہیں رہے گا-

ڈیڑھ دو سو برس قبل پینٹ شرٹ کے حوالے سے جو فتوے صادر فرمائے گئے وہ اپنے وقت کے مطابق درست تھے- کیونکہ اُس وقت یہ انگریزوں کا مخصوص لباس تھا- جس طرح ایک زمانے میں قرآن پاک کو پرنٹنگ پریس سے چھپوانے پہ ممانعت اعلان کی گئی، تصویر اور ویڈیو کی ممانعت پہ فتوے صادر فرمائے گئے مگر آج انہیں مجموعی طور پر قبول کر لیا گیا ہے- اسی طرح پتلون وغیرہ کچھ صدیاں قبل مغربی لوگوں کا لباس تھا مگر اب صورتحال مکمل طور پہ بدل چکی ہے اور آج یہ انگریزوں کا مخصوص لباس نہیں رہا- یہ لباس اب مسلمانوں میں بھی سرایت کر گیا ہے - پوری دنیا میں پینٹ شرٹ پہنی جاتی ہے، اب یہ صرف ایک قوم کا مخصوص لباس نہیں رہا- اگر مغربی دنیا میں کوئی بھی مسلمان ہوتا ہے، الحمدللہ! مسلمان ہوتے رہتے ہیں اور بیرون ممالک ہمارے مشائخ اور علماء کو توفیق الٰہی سے یہ سعادت نصیب ہوتی رہتی ہے-

اُن لوگوں کا تو لباس ہی یہی ہے تو ان کو مسلمان کرنے کے بعد کوئی مخصوص لباس نہیں دیا جاتا کہ اب تو مسلمان ہو گیا ہے، آج کے بعد وہ لباس نہیں پہننا، یہ لباس پہننا ہے-

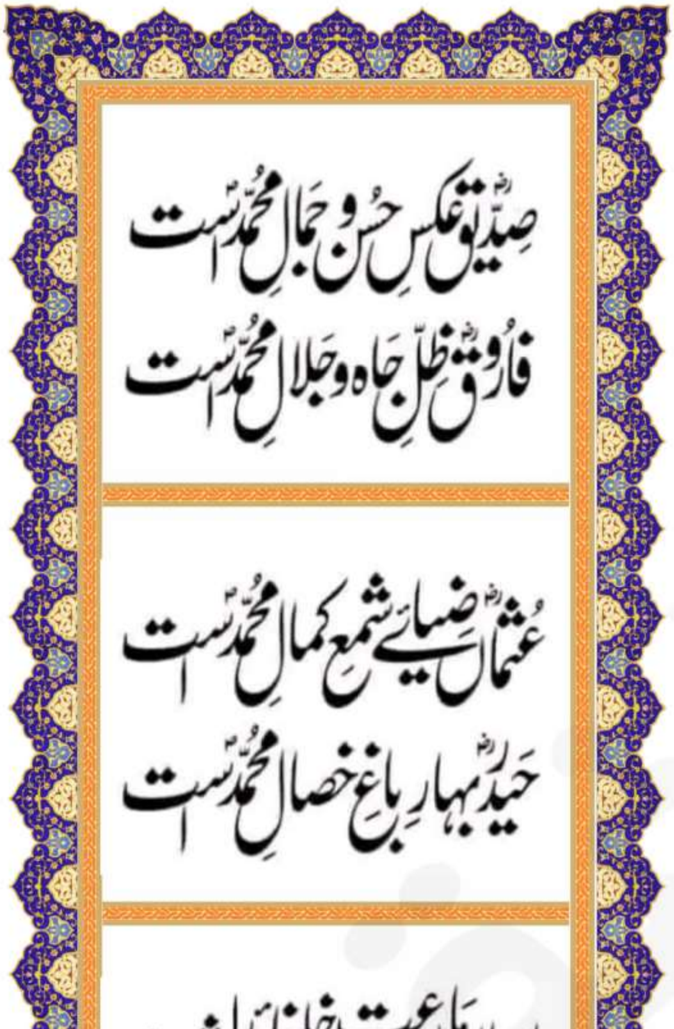

مزید اسکولز، کالجز، یونیورسٹیز اور دفاتر میں پینٹ شرٹ کا استعمال عام ہے- کسی پینٹ شرٹ پہنے ہوئے آدمی کو دیکھ کر کوئی اُسے غیر مذہب تصور نہیں کر سکتا- ہاں یہ ضروری ہے کہ پینٹ شرٹ کو بنواتے وقت ڈھیلا رکھنا چاہئے اور نیچے سے انڈرویئر وغیرہ ضرور ہونے چاہیں تاکہ قابل ستر اعضاء نمایاں نہ ہوں-

☆☆☆

حضرت فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کی نعتیہ شاعری

(فارسی شاعری میں نعت کی روایت کے تناظر میں)

ڈاکٹر شوکت حیات
اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ فارسی، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

نعت عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی وصف و خوبی اور تعریف و توصیف کے ہیں لیکن اصطلاح میں لفظ نعت صرف حضور نبی کریم (ﷺ) کی منظوم تعریف و توصیف اور مدح کے لئے مخصوص ہے۔

مصباح اللغات میں نعت کا لغوی معنی یوں بیان کیا گیا ہے:

"نعتہ (ف) نعتاً: تعریف کرنا، بیان کرنا (اور اکثر اس کا استعمال صفات حسنہ کے لیے ہوتا ہے)"۔[1]

ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق لکھتے ہیں:

"اصولاً آنحضرت (ﷺ) کی مدح سے متعلق نثر اور نظم کے ہر ٹکڑے کو نعت کہا جائے گا، لیکن اردو اور فارسی میں جب لفظِ نعت کا استعمال ہوتا ہے تو اس سے عام طور پر آنحضرت (ﷺ) کی منظوم مدح مراد لی جاتی ہے"۔[2]

نعت کے لئے کوئی مخصوص ہیئت مقرر نہیں ہے۔ یہ کسی بھی صنف سخن یعنی قصیدہ، مثنوی، غزل، قطعہ، رباعی، مخمس، مسدس، دوہے وغیرہ میں لکھی جاسکتی ہے۔

نعت گوئی کا آغاز سب سے پہلے عربی زبان میں ہوا۔ حضور نبی اکرم (ﷺ) کے زمانے ہی سے نعت گوئی کا رواج شروع ہوا اور وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتا اور پھیلتا چلا گیا۔

آپ (ﷺ) کی مدح میں سب سے پہلے جس نے لب کشائی کی وہ آپ (ﷺ) کے مربی و محسن وعمّ نامدار ابو طالب ہیں۔ سیرۃ النبی میں ابن ہشام نے ایک قصیدہ کے سات شعر نقل کیے ہیں جس میں حضرت ابو طالب نے پرجوش اشعار میں حضور نبی کریم (ﷺ) کی مدح کی اور اپنے خاندان (بنوہاشم) کی خصوصیات کا ذکر کیا۔[3]

اسی طرح اولین نعت گو شعراء میں آپ (ﷺ) کے صحابی، حضرت حسان بن ثابت (رضی اللہ عنہ) کا نام بھی سرفہرست ہے۔ اسی سلسلے میں ایک اور نام حضرت کعب بن زہیر (رضی اللہ عنہ) کا ہے جنہوں نے فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا اور حضور نبی اکرم (ﷺ) کی خدمت اقدس میں نعتیہ قصیدہ پیش کیا۔ عربی نعت گوئی میں ایک بہت اہم اور ممتاز نام ساتویں صدی ہجری کے محمد بن سعید بوصیری کا ہے جن کا 'قصیدہ بردہ شریف' دنیائے اسلام میں آج بھی مخصوص محفلوں میں عقیدت و محبت سے سنایا جاتا ہے اور جس کے تراجم مختلف زبانوں میں ہو چکے ہیں۔ نعت گوئی کا یہ سلسلہ آج بھی عربی شاعری میں جاری ہے۔

---

[1] بلیلاوی، مولوی عبد الحفیظ؛ مصباح اللغات، ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی، لاہور، ص 887

[2] اشفاق، ڈاکٹر رفیع الدین؛ (1976ء)، اردو کی نعتیہ شاعری، اردو اکیڈمی، سندھ، ص 21

[3] ابن ہشام، سیرۃ النبی، طبع بیروت، ج 1، ص 156

عربی نعت کے زیر اثر فارسی زبان میں بھی نعت گوئی کا آغاز ہوا- فردوسی کے شاہنامہ میں نعتیہ اشعار موجود ہیں- ابو سعید ابو الخیر کی رباعیات میں نعتیہ کلام موجود ہے- ان کے علاوہ خاقانی شروانی، حکیم سنائی غزنوی، فرید الدین عطار، نظامی گنجوی، مولانا جلال الدین رومی، سعدی شیرازی، امیر خسرو، مولانا عبدالرحمٰن جامی، عرفی شیرازی اور قدسی مشہدی (رحمۃ اللہ علیہم) وغیرہ جیسے عظیم المرتبت شعراء نے بھی جابجا اپنے کلام میں مدحتِ رسول اکرم (ﷺ) کو بیان کیا ہے-

نعت گوئی کا سفر عرب سے ایران اور پھر ہندوستان تک پہنچا- حضرت امیر خسرو، حضرت خواجہ بندہ نواز گیسودراز، قلی قطب شاہ، ولی دکنی، سراج اورنگ آبادی، امیر مینائی اور محسن کاکوروی، جگر مرادآبادی، اقبال سہیل، الطاف حسین حالی، علامہ محمد اقبال، احمد رضا خان بریلوی، مولانا ظفر علی خان، محمد علی جوہر، حفیظ جالندھری، ماہر القادری، حفیظ تائب اور مظفر وارثی وغیرہ نے نعت نگاری میں نئے نئے مضامین کا اضافہ کیا- بقول مولانا سید ابو الحسن علی ندوی:

"نعت گوئی، عشق رسول (ﷺ) اور شوق مدینہ ہندوستانی شعراء کا محبوب موضوع رہا ہے اور فارسی شاعری کے بعد سب سے بہتر اور سب سے مؤثر نعتیں اردو ہی میں ملتی ہیں"-[4]

جب عربی، فارسی اور اردو کی نعت کا ذکر کیا جائے تو پنجابی زبان کے نعت گو شعراء کا ذکر بھی لازمی بن جاتا ہے- پنجابی زبان و ادب میں نعت اس قدر رائج ہے کہ اس کا موازنہ دنیا کی کسی بھی زبان سے کیا جا سکتا ہے- پنجابی زبان کے معروف نعت گو شعراء کی تعداد سیکڑوں میں ہے- پنجابی صوفی شعراء یعنی بابا فرید، بلھے شاہ، خواجہ غلام فرید، حضرت سلطان باہو، میاں محمد بخش (رحمۃ اللہ علیہم) وغیرہ کے صوفیانہ کلام میں جابجا نعتیہ اشعار ملتے ہیں- ان کے علاوہ عبد الستار نیازی، اعظم چشتی، صوفی غلام مصطفیٰ تبسم، ڈاکٹر فقیر محمد فقیر، استاد عشق لہر، فیروز دین شرف، یونس احقر، سید ضمیر جعفری، حافظ امرتسری، صائم چشتی، پیر فضل گجراتی، اقبال زخمی اور ڈاکٹر ارشد اقبال ارشد اور دیگر بے شمار پنجابی شعراء نے مدحتِ رسولِ اکرم (ﷺ) کو اپنی شاعری کا خاصہ بنایا-

ایران کے اسلامی دور میں فارسی شاعری اگرچہ باقاعدہ تیسری صدی ہجری میں شروع ہوتی ہے مگر نعتیہ اشعار چھٹی صدی ہجری میں نظر آتے ہیں- اس کے بعد سے فارسی شاعری کے تقریباً تمام ادوار میں شعراء نے نعت کو موضوع فکر بنایا- غزل کی ہیئت ہو یا نظم کی کوئی بھی خارجی شکل، فارسی شاعری میں نعت کا موضوع اپنے مکمل خدوخال کے ساتھ نمایاں نظر آتا ہے- فارسی ادب کے ہر دور سے متعلق نعت گو شعراء کا فرداً فرداً تفصیلی جائزہ لیا جائے تو ایک ضخیم دفتر بھی اس کا متحمل نہ ہوسکے گا- لہٰذا یہ مقالہ فارسی میں

نعتیہ تحریک اور نعتیہ رجحان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت فرید الدین عطار نیشاپوری (رحمۃ اللہ علیہ) کی نعتیہ شاعری کے بارے میں ایک مختصر بیان ہے- جنہوں نے نا صرف اپنی تصوفانہ مثنویوں میں فن کاری و صنعت و ہنرمندی کے جوہر دکھائے بلکہ دوسری طرف عشق نبی (ﷺ) کا جذبہ دروں وارفتگی بن کے ان کے قلب و روح پر طاری رہا اور انہوں نے الہامی طور پر نعت کے والہانہ اشعار قلم بند کیے-

فرید الدین عطار، 1145ء یا 1146ء میں ایران کے شہر نیشاپور میں پیدا ہوئے اور 1221ء میں وفات پائی- آپ کا اصل نام ابوحمید ابن ابو بکر ابراہیم تھا مگر وہ اپنے قلمی نام فرید الدین اور شیخ فرید الدین عطار سے زیادہ مشہور ہیں- وہ ایک اعلیٰ پائے کے فارسی شاعر، صوفی اور ماہر علوم باطنی

[4]ندوی، سید ابو الحسن علی: کاروان مدینہ، مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، ندوہ، لکھنؤ، ص 176

تھے- ان کا علمی خاصہ اور اثر آج بھی فارسی شاعری اور صوفیانہ رنگ میں نمایاں ہے- انہیں بچپن سے ہی صوفی نظریات سے انسیت تھی- ان نظریات کو پروان چڑھانے میں انہیں اپنے والد کی مکمل حمایت حاصل رہی- شیخ فرید الدین عطار (رحمۃ اللہ علیہ) کو صوفیائے کرام کے احوال زندگی سے انتہائی لگاؤ تھا اور وہ اپنی زندگی ان صوفیائے کرام کے فرمان کے عین مطابق گزارنے کے خواہاں رہے اور یہی صوفیائے کرام زندگی میں ہر موڑ پر ان کی رہنمائی اپنے فرمودات اور نظریات سے کرتے رہے- یہی وجہ ہے کہ ان کی طبیعت میں سوز وگداز کے ساتھ ساتھ عشق نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھی کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا اور عشق کا یہی جذبہ بار بار نعتیہ اشعار کی صورت میں جلوہ گر ہوتا رہا- شیخ محمد فرید الدین عطارؒ، اللہ کے برگزیدہ انسان اور ولی کامل تھے- وہ اپنی بے مثال صوفیانہ شاعری کی بدولت بھی دنیا بھر میں مقبول ہوئے- وہ نعت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بھی فرض عین سمجھتے تھے- انہوں نے اپنی ہر کتاب میں نعت رسول مقبول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بہت احترام سے نظم کیا ہے- انہوں نے اپنی معروف مثنوی ”مصیبت نامہ“ میں نعت پیامبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ضمن میں دو سو سے زیادہ اشعار لکھے ہیں جن میں سے چند اہم درج ذیل ہیں:

آنچه فرض عین نسل آدم است
نعت صدر و بدر هر دو عالم است

”جو کام اولادِ آدم پر فرضِ عین ہے وہ دونوں عالم کے سردار (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نعت ہے-

آفتاب عالم دین پروران
خواجۂ فرمان ده پیغامبران

”آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) دین پروری کے جہان کا سورج ہیں، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پیغمبروں کے فرمانروا اور خواجہ ہیں“-

پیشوای انبیا و مرسلین
مقتدای اولین و آخرین

”آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) تمام انبیاء اور رسولوں کے پیشوا ہیں، سب سے پہلے اور آخری امام ہیں“-

جلوه کرده آفتاب روی او
آسمان صد سجده برده سوی او

”سورج ان کے چہرے کا نظارہ کرتا ہے آسمان ان کے سامنے سینکڑوں سجدے کرتا ہے“-

هشت جنت جرعه ای از جام او
هر دو عالم از دو میم نام او

”ان کی محبت کے جام کے ایک گھونٹ میں آٹھ جنتیں ہیں- دونوں جہان ان کے نام کی دو میموں کی وجہ سے ہیں“-

ای زمین و آسمان خاک درت
عرش و کرسی خوشه چین جوهرت

”زمین و آسمان ان کے در کی خاک ہیں، عرش اور کرسی ان کے موتی چننے والے ہیں“-

تا که یک جان دارم و تا زنده ام
بند بندت را به صد جان بنده ام

”جب تک میرے اندر روح ہے اور جب تک میں زندہ ہوں، میرا ایک ایک جوڑ سینکڑوں جانوں سے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا غلام رہے گا“-

در ز فانم جز ثنای تو مباد
نقد جانم جز وفای تو مباد

”میری زبان پر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعریف کے علاوہ اور کچھ نہ ہو- میری زندگی کی جمع پونجی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے وفاداری کے علاوہ اور کچھ نہ ہو“-

نیستم من مرد وصف ذات تو
این‌قدر هم هست از برکات تو

”میرے اندر اتنی جرأت نہیں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اوصاف بیان کر سکوں، میں جو کچھ بھی ہوں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی برکت کی وجہ سے ہوں“-

آن که او وصف از خدا داند شنید
وصف کس آن‌جا کجا داند رسید[5]

”آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذات وہ ذات ہے جس کے اوصاف خدا جانتا ہے، کسی اور شخص میں یہ خوبی نہیں کہ وہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اوصاف کے بارے میں جان سکے“-

فارسی کے شعری ادب میں ’منطق الطیر‘ ایک مرکزی حیثیت رکھتا ہے- اس کی ابتدا ہی میں فرید الدین عطار (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں:

خواجۂ دنیا و دین گنج وفا
صدر و بدر هر دو عالم مصطفیٰ

[5] عطار، فرید الدین محمد بن ابراهیم نیشاپوری؛(1386ش)، مصیبت نامہ، تصحیح دکتر محمد رضا شفیعی کدکنی، انتشارات سخن، تہران، ص132-133

"آپ (ﷺ) دین و دنیا کے مالک ہیں اور وفا کا خزانہ ہیں-مصطفٰی (ﷺ) دونوں جہانوں کے سردار اور چودھویں کے چاند ہیں"-

آفتاب شرع و گردون یقین
نور عالم رحمت للعالمین

"آپ (ﷺ) شریعت کے آفتاب ہیں اور یقین و ایمان کے آسمان ہیں، سارے جہانوں کا نور اور تمام جہانوں کے لئے رحمت ہیں"-

هر دو گیتی از وجودش نام یافت
عرش نیز از نام او آرام یافت

"دونوں جہانوں کا نام آپ (ﷺ) کے وجود کی برکت کی وجہ سے ہے-عرش بھی آپ (ﷺ) کے نام سے آرام پاتا ہے"-

آفرینش را جز او مقصود نیست
پاک دامن تر از او موجود نیست[6]

"تخلیق جہان کا مقصد آپ (ﷺ) کی ذات کے سوا اور کچھ نہیں ہے- آپ (ﷺ) کی ذات سے زیادہ پاکیزہ کوئی اور موجود نہیں ہے"-

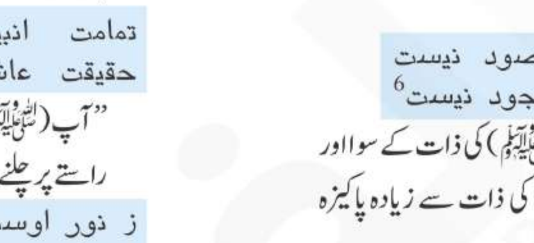

نعتیہ شاعری میں نہ صرف شعر و سخن کی آزمائش ہوتی ہے بلکہ اس کسوٹی پر عقیدۂ توحید و رسالت اور عشق حقیقی کی پرکھ بھی بدرجہ اتم ہوتی ہے- اس لیے اربابِ سخن نعتیہ شاعری کو دو دھاری تلوار سے تشبیہ دیتے ہیں- حضرت فرید الدین عطار (رحمۃ اللہ علیہ) نے بھی نعت لکھتے ہوئے کامل احتیاط سے کام لیا ہے اور انتہائی خشوع و خضوع کے ساتھ اپنی مثنوی "الٰہی نامہ" میں حضور نبی اکرم (ﷺ) کی ستائش میں بہترین اشعار لکھے ہیں:

ثنایی گو بر ارباب بینش
سزای صدر و بدر آفرینش

"تعریف اس بصیر خدا کی جس نے دونوں جہان کے سردار اور چودھویں کے چاند حضور نبی کریم (ﷺ) کو پیدا کیا"-

محمد آنکه نور جسم و جانست
گزین و مهتر پیغامبر انست

"محمد (ﷺ) جسم اور جان کا نور ہیں-تمام پیغمبر ان میں سے برگزیدہ سردار ہیں"-

ز نورش ذرهٔ خورشید و ماهست
همه ذرات را پشت و پناهست

"سورج اور چاند ان کے نور کا ایک ذرّہ ہیں-ایسے تمام ذرات کے لئے آپ (ﷺ) پشت وپناہ ہیں"-

فلک یک خرقه پوش خانقاهش
بسر گردان شده در خاکِ راهش

"آسمان آپ (ﷺ) کی خانقاہ کا ایک خرقہ پوش (فقیر) ہے-وہ آپ (ﷺ) کی راہ کی خاک سامنے سر جھکائے ہوئے ہے"-

تمامت انبیا را پیشوا اوست
حقیقت عاشقان را رهنما اوست

"آپ (ﷺ) تمام انبیاء کے پیشوا ہیں-عشقِ حقیقی کے راستے پر چلنے والوں کے راہنما ہیں"-

ز نور اوست اصل عرش و کرسی
چه کروبی چه روحانی چه قدسی[7]

"عرش و کرسی کی اصلیت آپ (ﷺ) کا نور ہے-فرشتے اور قدسیان سب کی تخلیق آپ (ﷺ) کے وجودِ بابرکت کے سبب ہوئی"-

نعت گوئی میں نہ تو زبان دیکھی جاتی ہے اور نہ بیان پر نظر جاتی ہے، نہ فنی نکات تلاش کئے جاتے ہیں- اس کی روح صرف اخلاص اور محبتِ رسول (ﷺ) ہے-اگر بات دل سے نکلی ہے تو دلوں پر اپنا اثر چھوڑتی ہے اور بارگاہِ رسالت مآب (ﷺ) میں وہ نذرانہ عقیدت اور محبت قبول ہو جائے تو اشعار کو حیات جاویدانی نصیب ہو جاتی ہے- جیسے فارسی میں سعدی شیرازی، عبد الرحمٰن جامی، محمد جان قدسی (رحمۃ اللہ علیہ) وغیرہ کی بعض نعتیں اس کی شہادت دے رہی ہیں-یہی وہ صادق جذبہ اور عشق

[6] عطار، فرید الدین محمد بن ابراھیم نیشاپوری؛منطق الطیر، کتابفروشی تایید، اصفہان، ص:25

[7] عطار، فرید الدین محمد بن ابراھیم نیشاپوری؛(1940ء)، الٰہی نامہ، بتصحیح ھ۔ ربز، النشریات الاسلامیہ، لجمعیتہ المستشرقین الالمانیہ، جرمنی، ص 11

ہے جس کی وجہ سے الٰہی نامہ میں تین سو اشعار پر مشتمل نعتِ پیغمبر (ﷺ) لکھنے کے بعد بھی فرید الدین عطار (رحمۃ اللہ علیہ) کا دل نہیں بھرتا اور وہ مزید کہنے لگتے ہیں کہ:

چه گویم چون صفات تو چنانست
که صد عالم ورای عقل و جانست

"میں کیا کہوں کیونکہ آپ (ﷺ) کی صفات ایسی ہیں کہ سینکڑوں جہان آپ (ﷺ) کی عقل و جان کے صدقے ہیں"۔

ندانم تا ثنایت گفته آید
و گر آید ترا پذرفته آید[8]

"میں نہیں جانتا کہ آپ (ﷺ) کی تعریف کیسے کروں اور اگر کر لوں تو نہیں معلوم کہ وہ آپ (ﷺ) کی بارگاہ میں قبول ہو گی یا نہیں"۔

ایک فاسق عورت کی حکایت بیان کرنے کے بعد جو مکہ سے مدینہ حضور نبی اکرم (ﷺ) کے پاس آئی تھی، فرید الدین عطار (رحمۃ اللہ علیہ) اس کے متعلق یوں بیان کرتے ہیں:

بر امید عطای تو رهی دور
ز پس کردم من مسکین مهجور

"یا رسول اللہ (ﷺ) میں مسکین ہجر کی ماری، آپ (ﷺ) کی عطا کی امید میں بہت دور دراز کا سفر کر کے آئی ہوں"۔

زن آنگه گفت: از پیکار و جنگت
ز بیم خنجر و بیم خدنگت

"پھر اس عورت نے کہا: آپ (ﷺ) سے جنگ اور دشمنی کے خوف سے۔ آپ (ﷺ) کے خنجر اور چھڑی کے خوف سے"۔

ز صیت قوت و اندازهٔ تو
ز فضل معجز و آوازه تو

"آپ (ﷺ) کی قوت اور جسامت کی وجہ سے، آپ (ﷺ) کے معجزانہ فضل و کرم اور شہرت کی وجہ سے"۔

سوارانِ عرب را سست شد پای
کسی را سوی مطرب چون بود رای[9]

"عرب کے سواروں کے پاؤں (آپس کی دشمنی میں) سُست ہو گئے ہیں، آپ (ﷺ) پر ایمان لانے کی وجہ سے"۔

حضور نبی کریم (ﷺ) اس عورت کی بات سننے کے بعد اپنی چادر اسے بخش دیتے ہیں اور صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) سے بھی فرماتے ہیں کہ ان کے پاس بھی جو کچھ ہے، وہ اس عورت کو بخش دیں۔ شیخ عطار بھی اسی عورت کی مثال کو سامنے رکھ کر اپنے حضور نبی اکرم (ﷺ) کی بارگاہ میں یوں عرض کرتے ہیں:

زنی را یا رسول الله که دور است
میان شرک در فسق و فجور است

"یا رسول اللہ (ﷺ) وہ عورت جو آپ (ﷺ) کی تعلیمات اور آپ (ﷺ) کی ذات سے بہت دور ہے، جو شرک اور بے حیائی سے معمور ہے"۔

چو بستاید ترا حرفی دو یک بار
ز جودت می بیابد مال بسیار

"اگر وہ بھی آپ (ﷺ) کی مدحت میں دو لفظ کہہ دے تو اسے بھی آپ (ﷺ) کی جود و سخا کی بدولت بے شمار مال و دولت مل جاتی ہے"۔

ذمی گردانیش نومید از خویش
ذمی ماند ز انعام تو درویش

"آپ (ﷺ) اسے بھی ناامید نہیں کرتے تو یہ درویش بھی آپ (ﷺ) کے انعام سے محروم نہیں رہے گا"۔

تو می دانی که در وصف تو عطار
بسی گردید بر سر همچو پرگار

"آپ (ﷺ) جانتے ہیں کہ عطار آپ کی مدحت میں ہر طرف پرکار کی طرح بہت گھوما ہے"۔

چو خاک کوی تو وصفت به جان کرد
قبولش کن بدان گر می‌توان کرد

"اس نے آپ (ﷺ) کے رستے کی خاک کی خوبی کو اپنا لیا ہے۔ (یعنی خود کو آپ (ﷺ) کی راہ کی خاک جیسا بنا لیا ہے) آپ بھی یا رسول اللہ (ﷺ) اسے قبول فرمالیں"۔

چو آن زن را رسید از تو ردائی
رسد از تو به من آخر نوایی

"اگر وہ عورت آپ (ﷺ) سے ردا حاصل کر سکتی ہے تو مجھے بھی یا رسول اللہ (ﷺ) آپ کی طرف سے قبولیت کی آواز کا انتظار ہے"۔

[8] عطار، فرید الدین محمد بن ابراھیم نیشاپوری؛ (1355 ش)، الٰہی نامہ، بدستور سید محمد مبر کمالی خوانساری و سید احمد اخوان، کتابفروشی اسلامیہ، تہران، ص26

[9] عطار، فرید الدین محمد بن ابراھیم نیشاپوری؛ (1355 ش)، الٰہی نامہ، بدستور سید محمد مبر کمالی خوانساری و سید احمد اخوان، کتابفروشی اسلامیہ، تہران، ص27

به تشریفی مشرف کن تنش را
که نبود زان خبر پیراهنش را[10]

"آپ (ﷺ) تشریف آوری سے اس شخص کے وجود کو مشرف فرمائیں جو اپنے لباس کے بارے میں بھی بے خبر ہو چکا ہے"۔

"منطق الطیر" شیخ عطار (رحمۃ اللہ علیہ) کا شاہکار ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے تصوف کے مسائل کو تمثیل کی صورت میں بیان کیا ہے۔ اسی کتاب میں حضور نبی اکرم (ﷺ) کی نعت کے ضمن میں ایک حکایت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

مادری را طفل در آب اوفتاد
جان مادر در تب و تاب اوفتاد

"ایک ماں کا بچہ گہرے پانی میں گر گیا۔ ماں بیچاری اپنی ممتا کی وجہ سے تڑپ اٹھی"۔

در تحیر طفل می زد دست و پای
آب بردش تا بذاب آسیای

"بچہ حیرانی اور پریشانی کے عالم میں ہاتھ پاؤں مار رہا تھا، پانی اس کو چھوڑ رہا تھا اور اس کو آگے بہا کر لے جا رہا تھا"۔

خواست شد در ناو مادر کان بدید
شد سوی درز آب حالی بر کشید

"ماں سے یہ دیکھا نہ گیا اور وہ اپنے بچے کو بچانے کے لئے پانی میں کود گئی"۔

مادرش در جست او را بر گرفت
شیر دادش حالی و در بر گرفت

"اس نے جلدی سے بچے کو بہتے پانی میں سے نکال لیا اسے گود میں لیا اور اسے دودھ پلایا"۔

حکایت بیان کرنے کے بعد فرید الدین عطار التجا کرتے ہیں کہ:

ای ز شفقت داده مهر مادران
هست این غرقاب را ناوی گران

"یا رسول اللہ (ﷺ) اپنی امت پر آپ ماں سے کہیں زیادہ شفیق اور مہربان ہیں۔ اس گرداب سے نکلنے کے لیے کشتی کی مانند ہیں"۔

چون در آن گرداب حیرت اوفتیم
پیش ناو آب حسرت اوفتیم

" جب ہم گناہوں کے گرداب میں حیران و پریشان ہو کر پھنسے ہوئے ہوں گے تو ہمیں اس کشتی کے سامنے شرمندگی ہو گی"۔

مانده سرگردان چو آن طفل در آب
دست و پایی می زنیم از اضطراب

"میری حالت اس بچے کی طرح ہے جو پانی میں ڈوب چلا ہو۔ میں اسی پریشانی میں ہاتھ پاؤں مار رہا ہوں"۔

آن نفس ای مشفق طفلان راه
از کرم در غرقهٔ خود کن نگاه

اے بچوں پر شفقت کرنے والے نبی (ﷺ)! مہربانی فرما کر اپنے غرق ہونے والے کو بچا لیجیے۔

رحمتی کن بر دل پرتاب ما
بر کش از لطف و کرم در ز آب ما[11]

"ہماری اس جان پر رحم کیجیے۔ جو آپ (ﷺ) سے دور ہو کر گہرے پانی میں ڈوب رہی ہے"۔

نعت گوئی حضرت فرید الدین عطارؒ کی شاعری کا جزو لا ینفک ہے۔ وہ صوفی باصفا تھے اور عشق نبی (ﷺ) کی دولت سے مالامال تھے۔ ان کی تمام مثنویاں اور دیوان، تصوفانہ اسرار و رموز کا خزانہ ہونے کے ساتھ ساتھ نعتِ رسول مقبول (ﷺ) اور ستائش پیغمبر اکرم کا بھی بہترین نمونہ ہیں۔ ان کی شاعری نا صرف صوفیانہ رنگ میں رنگی ہوئی ہے بلکہ مدحت حضور نبی اکرم (ﷺ) سے بھی بھرپور ہے۔ اہل عشق آج بھی ان کے کہے ہوئے نعتیہ اشعار سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور فیوض و برکات حاصل کرتے ہیں۔

☆☆☆

[10] عطار، فرید الدین محمد بن ابراهیم نیشاپوری؛ (1355 ش)، الٰہی نامہ، بد ستور سید محمد مبر کمالی خوانساری و سید احمد اخوان، کتابفروشی اسلامیہ، تہران، ص 28

[11] عطار، فرید الدین محمد بن ابراهیم نیشاپوری؛ منطق الطیر، کتابفروشی تایید، اصفہان، ص 31-32

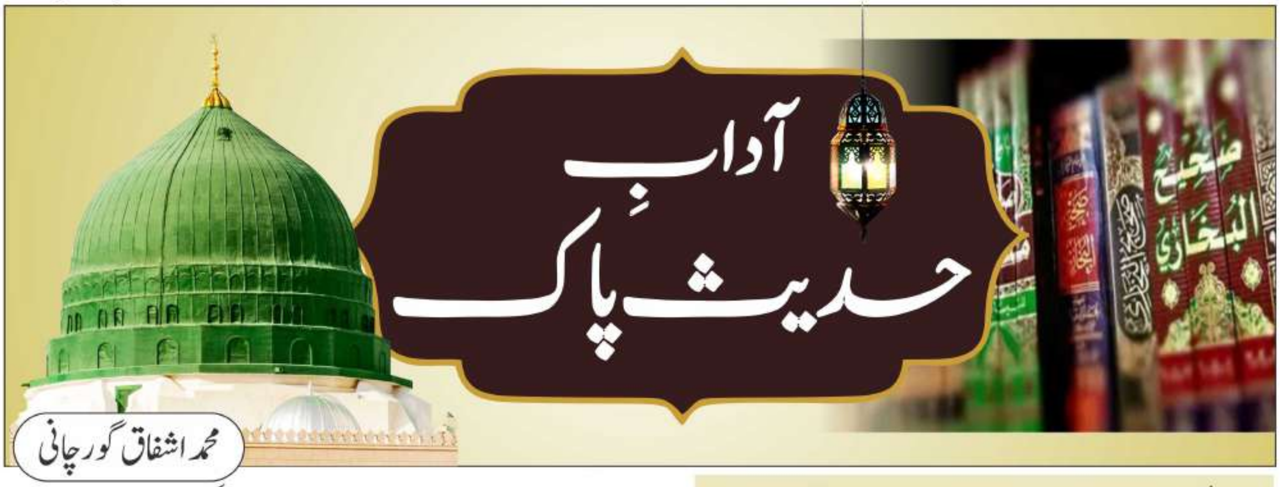

آدابِ حدیثِ پاک

محمد اشفاق گورچانی

آدابِ حدیث:

ادب وہ چیز ہے جس کی تعلیم خود ربِ کائنات نے اپنے پیارے حبیب نبی اکرم (ﷺ) کو عطا فرمائی۔

حضور نبی کریم (ﷺ) نے فرمایا:

"ادبنی ربی فاحسن تادیبی"[1]

"مجھے میرے رب نے ادب سکھایا اور بہت اچھا ادب سکھایا"۔

علماء کرام (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں:

"ما یحمد من القول و الفعل"

"ادب اس قول اور فعل کو کہتے ہیں جس پر تعریف کی جائے"۔

اعلیٰ حضرت (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں:

"ولا دین لمن لا ادب له"[2]

"جو باادب نہیں اس کا کوئی دین نہیں"۔

حضرت سیدنا ابو علی دقاق (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں:

"بندہ اطاعت سے جنت تک اور اطاعت الٰہی میں ادب کرنے سے اللہ پاک تک پہنچ جاتا ہے"۔[3]

ابن مبارک (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں:

"ہمیں زیادہ علم حاصل کرنے کے مقابلے میں تھوڑا سا ادب حاصل کرنے کی زیادہ ضرورت ہے"۔[4]

حضرت سیدنا داتا علی ہجویری (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں:

"دینی اور دنیاوی تمام امور کی زینت ادب ہے اور مخلوقات کو ہر مقام پر ادب کی ضرورت ہے"۔[5]

علامہ سیوطی (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں:

"الاخذ بمکارم الاخلاق"

ادب عمدہ اخلاق کو اپنانے کا نام ہے۔

عربی کا ایک مشہور مقولہ ہے:

"الدین کله ادب"

"دین سارے کا سارا ادب ہے"۔

محدث کے آداب:

حضرت انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

"جس نے بڑوں کا ادب نہ کیا وہ ہم میں سے نہیں۔ بے شک میرے ادب میں سے یہ ہے کہ میرے امت میں سے شیخ (محدث) کی توقیر کی جائے"۔[6]

مجلسِ حدیث کی توقیر:

حضرت ابو سعید خدری (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے:

"بے شک ہم مسجد میں بیٹھتے جب آقا کریم (ﷺ) ہماری طرف تشریف لائے پس آپ ہمارے پاس بیٹھے گویا کہ ہمارے سروں کے اوپر پرندے بیٹھے ہیں ہم میں سے کوئی ایک بھی کلام نہ کر سکا۔[7]

حضرت حماد بن زید (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ:

[1] (جامع صغیر حرف الھمزہ، رقم الحدیث:310، ص25)
[2] (فتاویٰ رضویہ، ج:28، ص:159)
[3] (رسالہ قشیریہ، باب الادب، ص:316)
[4] (ایضاً، ص:317)
[5] (کشف المحجوب، باب المشاہدہ، ص:369)
[6] (کنز ومیزان)
[7] (صحیح بخاری)

"ہم حضرت ایوب (رضی اللہ عنہ) کے پاس بیٹھے تھے انہوں نے آواز سنی پس حضرت ایوب نے کہا کہ یہ کیسی آواز ہے کیا ان تک یہ خبر نہیں پہنچی کہ آقا کریم (ﷺ) کی حدیث مبارکہ کو بیان کرتے ہوئے یا سنتے ہوئے آواز کو بلند کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ آپ (ﷺ) کی موجودگی میں آواز بلند کرنا"۔[8]

حصول علم کے لیے ادب و احترام بہت ضروری ہے کیونکہ ترکِ فعل اتنا خطرناک نہیں جتنا کہ ترکِ ادب ہے اس لیے اگر کوئی آدمی دین کے کسی حکم پر عمل نہیں کرتا مثلاً نماز چھوڑ دیتا ہے تو وہ گناہ گار ہوتا ہے مگر ایمان سے خارج نہیں ہوتا لیکن اگر وہی شخص دین کے کسی حکم کی اہانت کرے بے ادبی کرے تو ایمان سے خارج ہو جاتا ہے۔

حدیث پڑھنے اور پڑھانے کے آداب:

لفظ ادب زندگی کے تمام معاملات سے تعلق رکھتا ہے یونہی حدیث مبارکہ کے آداب کی کئی جہتیں ہیں۔ جیسا کہ حدیث مبارکہ سننے، پڑھنے اور پڑھانے سے پہلے محض رضائے الٰہی اور رضائے مصطفےٰ (ﷺ) کی نیت ہونی چاہیے۔ جیسا کہ آقا کریم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

"اعمال کا دارو مدار نیت پہ ہے بیشک ہر شخص کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی"۔[9]

"جس شخص نے حدیث مبارکہ یا کسی بھی علم کو دنیا کی خاطر چاہا وہ آخرت کی خوشبو کو نہیں پائے گا"۔[10]

جس مجلس میں رسول اللہ (ﷺ) کی حدیث مبارکہ پڑھی یا بیان کی جا رہی ہو تو اس مجلس میں شور و غل کرنا سخت بے ادبی ہے کیونکہ آپ (ﷺ) کے ارشاد کا احترام بعد از ظاہری وصال ویسے ہی ضروری ہے جیسا کہ آپ کی حیات طیبہ میں تھا۔ جلیل القدر محدث حضرت امام بخاری کے استاد امام عبدالرحمٰن بن مہدی (المتوفی 198ھ) کا یہ معمول تھا کہ جب ان کے سامنے حدیث پڑھی یا سنائی جاتی تو وہ لوگوں کو خاموش رہنے کا حکم دیتے اور یہ آیت تلاوت فرماتے:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ"[11]

"اے ایمان والو اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے (نبی (ﷺ)) کی آواز سے"۔

مزید فرماتے تھے کہ حدیث مبارکہ پڑھتے اور پڑھاتے وقت خاموش رہنا اسی طرح لازم ہے کہ جس طرح آپ (ﷺ) کے دنیا میں ارشاد فرمانے کے وقت لازم تھا۔[12]

حضرت امام مالک (رضی اللہ عنہ) کا یہ معمول تھا کہ جب حدیث مبارکہ بیان فرماتے تو پہلے غسل کرتے پھر خوشبو لگاتے اور عمدہ لباس پہن کر نہایت عاجزی اور تواضع کے ساتھ حدیث مبارکہ بیان کرتے۔[13]

ایک شخص نے راستے میں چلتے ہوئے امام مالک (رضی اللہ عنہ) سے حدیث پاک کے بارے سوال کیا تو آپؓ نے اسے بیس چھڑیاں لگائیں کہ یہ خلافِ ادب ہے کہ حدیث مبارکہ کو راہ چلتے ہوئے پوچھا جائے۔ جب بیٹھے تو جتنی چھڑیاں لگائیں تھیں اتنی حدیث مبارکہ بیان کی تو اس شخص کو عمر بھر ملال رہا کاش کچھ اور چھڑیاں لگاتے۔

امام مالک (رضی اللہ عنہ) ایک بار حدیث پاک بیان کر رہے تھے کہ بچھو نے آپؓ کو ڈس لیا۔ ساتھی نے پوچھا آج آپؓ کا

[8] (الجامع لاخلاق الراوی و آداب السامع)
[9] (صحیح بخاری)
[10] (کنز العمال)
[11] (الحجرات:2)
[12] (مدارج النبوت، ج:1، ص:529)
[13] (جامع بیان العلم، ج:2، ص:199)
(مدارج النبوت، ج:1، ص:542)

رنگ بوقتِ بیانِ حدیث بار بار متغیر ہوا تو آپؒ نے فرمایا بچھو نے سو بار کاٹ لیا تھا مگر حدیث پاک کا ادب مجھے اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ میں اپنی تکلیف کے لیے حدیث پاک کو روک لوں۔

رئیس التابعین حضرت سعید بن المسیب (رضی اللہ عنہ) بیمار ہونے کی وجہ سے ایک پہلو پر لیٹے ہوئے تھے کہ اتنے میں ایک شخص نے ان سے حدیث مبارکہ دریافت کی تو وہ فوراً اٹھ کے بیٹھ گئے اور حدیث پاک بیان کی۔ سائل نے کہا آپؒ نے اتنی تکلیف کیوں کی؟ تو فرمایا میں اس چیز کو پسند نہیں کرتا کہ حضور نبی اکرم (ﷺ) کی حدیث پاک کو کروٹ کے بل بیان کروں۔[14]

اس لیے حضور نبی اکرم (ﷺ) نے حدیث و سنت روایت کرنے والے کو اپنا خلیفہ فرمایا ہے۔

”حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ (ﷺ) کو فرماتے ہوئے سنا کہ اے اللہ میرے خلفاء پر رحم فرما۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) آپ کے خلفاء کون ہیں؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا جو میرے بعد آئیں گے میری احادیث اور سنت روایت کریں گے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیں گے“۔[15]

سماعتِ حدیث کے آداب:

سماعتِ حدیث انتہائی ادب و عاجزی کے ساتھ کرنا چاہیے اس میں اپنی طرف سے کوئی بات شامل نہیں کرنی چاہیے۔ حضور نبی اکرم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

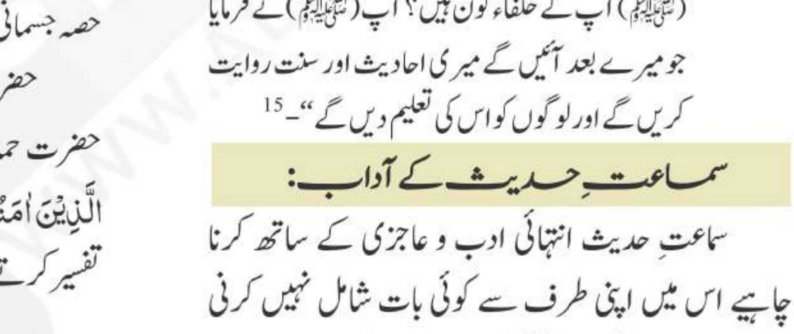

”جس نے کسی ایسی بات کی نسبت میری طرف کی جو میں نے کہا نہ ہو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے“۔[16]

حضرت عبد اللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) سے مروی ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

”تم مجھ سے حدیث سنتے ہو اور تم سے بھی حدیث سنی جائے گی (بعد ازاں) ان لوگوں سے بھی سنی جائے گی جنہوں نے تم سے سنا ہو گا“۔[17]

اس لیے حضور نبی کریم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

”اے اللہ ہمیں چیزوں کو اسی طرح دیکھنے کی توفیق عطا فرما جیسی وہ ہیں، باطل کو باطل کے روپ میں دیکھنے اور پھر اسی سے اجتناب کرنے کی توفیق عطا فرما، ہمیں حق کو حق کی صورت دیکھنے پھر اس کی پیروی کرنے کی توفیق عطا فرما“۔[18]

کیونکہ الفاظ ابلاغ کا بہت بڑا ذریعہ ہیں۔ مگر کبھی الفاظ ہی ابلاغ کے راستے کی بہت بڑی رکاوٹ بن جاتے ہیں۔ ماہرین نفسیات کے نزدیک ذرائع ابلاغ (Communication) میں الفاظ کا 7٪ حصہ ہے اور 30٪ حصہ لہجے میں ہے اور 55٪ حصہ جسمانی حرکات و سکنات (Body Language) کا ہوتا ہے۔

حضرت سلیمان بن حرب (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا کہ میں نے حضرت حماد بن زید (رضی اللہ عنہ) کو اللہ تعالیٰ کے فرمان ”یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ“ کی تفسیر کرتے ہوئے سنا:

”حضرت حماد نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ آقا کریم (ﷺ) کے وصال کے بعد آپ (ﷺ) کے روضہ مبارک پر آواز بلند کرنا ایسے ہی ناپسند ہے جیسا کہ آپ (ﷺ) کی حیات میں۔ جب حدیث مبارکہ پڑھی جائے تو آپ پر لازم ہے کہ آپ خاموشی اختیار کریں جیسا کہ قرآن کریم کی سماعت کے وقت خاموشی اختیار کرتے ہیں“۔[19]

[14] (مدارج النبوت، ج:1، ص:541)

[15] (الطبرانی فی المعجم الاوسط، ج:6، ص:395)

[16] (صحیح البخاری، کتاب الجنائز)

[17] (المسند احمد بن حنبل، ج:1، ص:321)
(سنن ابی داؤد، کتاب العلم)
(سنن الکبریٰ للبیہقی، ج:10، ص:250)
(الجرح و تعدیل لابن ابی حاتم، ج:2، ص:8)

[18] (مرقاۃ المفاتیح، ج:10، ص:110)

[19] (الجامع لاخلاق الراوی و آداب السامع)

حدیث سیکھنے کے آداب:

❖ حدیث پاک سیکھنے کے لیے طالب علم میں اخلاصِ نیت کا ہونا ضروری ہے- اس لیے امام بخاری نے صحیح بخاری میں پہلے "الاعمال باالنیات" اس حدیث پاک کو درج فرمایا-

❖ علم کو دنیاوی اغراض و مقاصد کے لیے حاصل کرنے سے اجتناب کرے- جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں: "جو علم سیکھے اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود نہ ہو بلکہ دنیاوی کوئی غرض پیش نظر ہو تو قیامت کے دن وہ جنت کی خوشبو کو نہیں پا سکے گا"-[20]

❖ آدمی کلی طور پر طلبِ حدیث میں مشغول ہو جائے- اس کے حصول کے لیے ہر ممکن کوشش کرے-

❖ اس کے شہر کے جو اساتذہ علمی و دینی اور اعلیٰ سند کے اعتبار سے بلند مرتبے پر فائز ہوں ان سے حدیث کی تحصیل شروع کرے-

تین چیزوں کا احترام بہت ضروری ہے:

1) اپنے سکول یا مدرسے کا احترام
2) جس کتاب سے اکتساب فیض کیا اس کا احترام
3) اپنے استاد کا احترام

❖ حدیث کے علم کا آغاز صحیح بخاری و صحیح مسلم سے کیا جائے-

اختتامیہ:

انسانوں میں ادب، احترام کا شعور روز ازل سے ہے- اسلامی تعلیمات، خصوصاً قرآن، حدیث میں تہذیبِ نفس اور کردار سازی میں ادب کو جو اہمیت حاصل ہے وہ اظہر من الشمس ہے- ادب ہی انسانوں کو حیوانوں سے جدا کرتا ہے- ادب ہی انسان کی معراج اور ارتقاء کا ذریعہ ہے-

بزبانِ شاعر:

ادب تا جیست از فضل الٰہی
بنہ بر سر برو ہر جا کہ خواہی

"ادب اللہ کے فضل کا تاج ہے سر پر رکھ جس جگہ چاہے تو جا سکتا ہے"-

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

عقل در گوش دلم گفت کہ ایمان ادب است[21]

"میں نے عقل سے سوال کیا تو یہ بتا کہ ایمان کیا ہے؟ عقل نے میرے دل کے کانوں میں کہا ایمان ادب کا نام ہے"-

حدیث پاک کا ادب ہمارے لیے بہت ضروری ہے جیسا کہ حضور نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حیات طیبہ میں ارشاد فرمانے کے وقت تھا- حدیث پاک کے مقابلے میں اپنی رائے کو ترجیح نہیں دینی چاہیے- حدیث اور صاحب حدیث کا ادب ہمارے لیے بہت ضروری ہے-

سلطان العارفین حضرت سلطان باھو (رحمۃ اللہ علیہ) اپنی پنجابی ابیات میں ادب کے متعلق فرماتے ہیں:

علم پڑھیا پر ادب نہ سکھیا کی لینا علم نوں پڑھ کے ھو

یعنی علم وہ ہے جو ادب سکھائے- کیونکہ بقول علامہ محمد اقبالؒ:

ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

☆☆☆

---

[20] (سنن ابی داود، رقم الحدیث: 36620)

[21] (فتاوی رضویہ، ج:23، ص:393)

سلطان العارفین حضرت سلطان باھُوؒ کے صوفیانہ تصور کی تفہیم

Congregations of Prophet ﷺ

مجالسۃ النبی ﷺ

A Study of Sultān Al-'Arifīn Sultan Bahoo's Classic Text

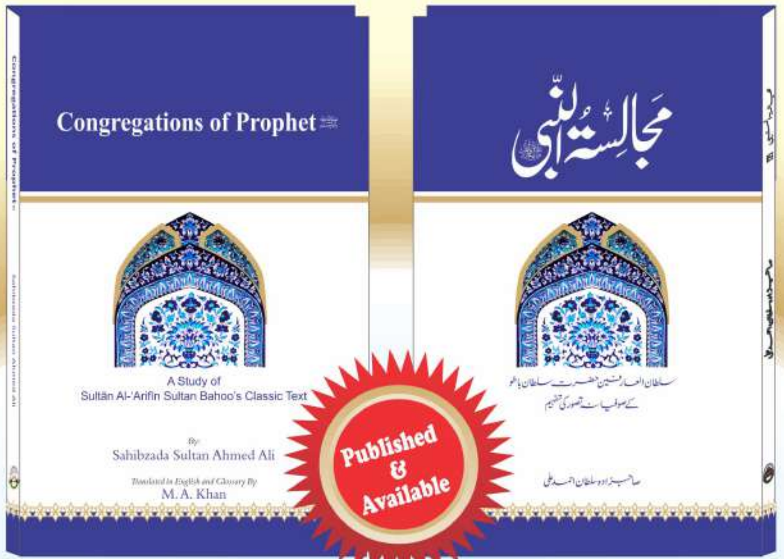

By:

Sahibzada Sultan Ahmed Ali

Translated in English and Glossary By

M. A. Khan

اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں

مکتبہ العارفین پبلیکیشنز سے خریدی جاسکتی ہیں

العارفین پبلیکیشنز (رجسٹرڈ) لاہور-پاکستان

اپنے قریبی بک سٹال سے طلب فرمائیں

ہیڈ آفس: دربارِ عالیہ حضرت سخی سلطان باھوؒ ضلع جھنگ (پنجاب) پاکستان

پی او بکس نمبر 11 جی پی او لاہور

ویب سائٹ: www.alfaqr.net

ای میل: alarifeenpublication@hotmail.com